وَلَقَدْ يَسَّرْنَا ٱلْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اورہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کردیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے

جلد 6	شمارہ 10	ذیقعدہ1433ھ	اکتوبر2012ء

ماھنامہ

حکمت بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئرمختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹرمحمد سعد صدیقی — مدیرمعاون ونگران طباعت: مفتی عطاءالرحمٰن

حافظ مختار احمد گوندل — تزئین وگرافکس: سعد حسن خان

پروفیسر خلیل الرحمٰن — قانونی مشاورت:

محمد فیاض عادل فاروقی — محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرتعاون پندرہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندورنِ ملک 350 روپے، قیمت فی شمارہ 35 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7628561-7628361

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض حسین مطبع: سلطان باہو پریس فوارچوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ چیز ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	5
3	یاجوج ماجوج نمبر کا تتمہ		25
4	خودی کی حقیقت (2)	ڈاکٹر رفیع الدین	42
5	اہل علم کی آراء و تاثرات		

قارئین کرام! قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات و احادیث درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا

(اے اہل مکہ) ہم نے تمہارے پاس ایک پیغمبر (محمد ﷺ کو) بھیجا ہے

شَاھِدًا عَلَیْکُمْ

جو تمہارے مقابلے میں گواہ ہوں گے

کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا O

جس طرح فرعون کے پاس ایک پیغمبر (موسیٰ علیہ السلام کو) بھیجا تھا

فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ

سو فرعون نے (ہمارے) پیغمبر کا کہا نہ مانا

فَاَخَذْنٰہُ اَخْذًا وَّبِیْلًا O

تو ہم نے اس کو بڑے وبال میں پکڑ لیا

فَکَیْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ کَفَرْتُمْ یَوْمًا

اگر تم بھی (ان پیغمبر کو) نہ مانو گے تو اس دن سے کیسے بچو گے

يَّجۡعَلُ الۡوِلۡدَانَ شِيۡبَا ۟ۖ O
جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا
السَّمَآءُ مُنۡفَطِرٌۢ بِهٖ
(اور) جس سے آسمان پھٹ جائے گا
كَانَ وَعۡدُهٗ مَفۡعُوۡلًا O
یہ اس کا وعدہ (پورا) ہو کر رہے گا
اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ
یہ (قرآن) تو نصیحت ہے
فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا O
سو جو چاہے اپنے پروردگار تک (پہنچنے کا) راستہ اختیار کر لے
صدق اللّٰه العظیم

استنبول یا اسلام بول میں (یعنی مغرب میں) ڈوبا
خلافت اسلامیہ کا سورج
اسلام آباد (مشرق) میں کب طلوع ہوگا

انجینئر مختار فاروقی

اجتماعی زندگی یا قوموں کی زندگی میں سو سال کا عرصہ کوئی لمبا عرصہ نہیں ہے۔ قرآن میں قوموں کے عروج و زوال کا جو قانون بیان ہوا ہے اس کے مطابق قومی اور اجتماعی یا ملّی زندگی کے اعتبار سے کوئی قوم چھ سات صدیوں میں گمنامی سے اُٹھ کر پہلے تین چار صدیوں میں عروج حاصل کرتی ہے پھر دو تین صدیاں دنیا کے وسیع علاقے میں اپنے اقتدار اور تہذیبی، علمی، ثقافتی، فنی اور عسکری برتری کے پھریرے اُڑاتی ہے۔ اخلاقیات اور انسانی اقدار کا فقدان ہو تو ـــــــ دوسری اقوام کا مذاق اڑاتی اور ان کو دنیا سے نیست و نابود کرنے کے درپے ہو جاتی ہے اپنے ہر مخالف اور ناقد و منقّد (تنقید سے اسم فاعل) کو نشانِ عبرت بناتی ہوئی بالآخر کائنات کے خالق (جس کا اکثر تہذیبیں انکار کرتی رہی ہیں) کے بنائے ہوئے قانون زوال کا شکار ہو کر نیست و نابود ہو جاتی ہے اور قصۂ ماضی بن جاتی ہے پھر اس کا نام صرف تاریخ کے ایک صفحے کے کسی کونے میں لکھا رہ جاتا ہے۔

قرآن مجید کے بیان کردہ اس قانونِ عروج و زوال سے خود مسلمانوں کو بھی استثناء حاصل نہیں تھا اور نہ اب ہے۔ مسلمانوں کی صرف ایک خصوصی شان یہ ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کے ماننے والے ہیں آپ ﷺ آخری نبی تھے اور آپ کو جو کتاب عطا ہوئی وہ آخری

کتاب ہے؛ لہٰذا ــــــــــ

☆ اب قیامت تک کوئی شخص یہ دعویٰ لے کر نہیں کھڑا ہوگا کہ 'میں نبی ہوں' جو شخص ایسا دعویٰ کرے گا وہ آسمانی وحی کے ماننے والوں اور مسلمانوں کے نزدیک مسلمانوں (دائرۂ اسلام) سے خارج ہے یعنی کافر اور غیر مسلم ہے۔ [دنیا کی پس پردہ مقتدر قوتوں نے کیسی چالاکی کی ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں ختم نبوت کا کوئی تصور نہیں ہے مگر ان کے ہاں نہ پہلے کبھی اور نہ اب معلوم تاریخ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی شخص نبوت کا دعویٰ لے کر اُٹھا ہے حالانکہ ان کے ہاں یہ کوئی انوکھی بات نہ ہوتی جبکہ مسلمانوں کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا اور نہایت صراحت اور تکرار سے فرما دیا کہ ''میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا''، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی صہیونیت نے کئی (جھوٹے) پیغمبر کھڑے کیے مگر آپ نے ان کو جھوٹا قرار دیا۔ جہاں ختم نبوت کا اعلان ہے وہاں ابلیس کی ذرّیت مصنوعی پیغمبر بھیج رہی ہے اور جہاں ختم نبوت کا اعلان نہیں وہاں کوئی پیغمبر پیدا نہیں ہو رہا یقیناً کوئی 'مصنوعی' اور گھڑی ہوئی بات ہے۔]

☆ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا آخری کلام اور وحی ہے اور انسانیت کے نام پیغام ہے یہ کتاب ہدایت ہے اور یہ قیامت (دنیا کے خاتمے) تک ہدایت کے لیے کافی ہے۔

☆ تورات، زبور اور انجیل کے برعکس اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (15-9) اس کتاب کو کسی بھی طرح کی لفظی معنوی تحریف سے تحفّظ حاصل ہے اور حاصل رہے گا۔

☆ انسانیت کی ضرورت ہدایت ہے اس کے لیے 'کتاب' اور ایک انسانی نمونہ کی ضرورت ہے پہلے یہ ضرورت وحی اور پیغمبر کی ذات سے پوری ہوتی تھی مگر اب ختم نبوت کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کے ساتھ اس امت میں سے ایک گروہ ایسا رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے کہ جو حق پر قائم رہے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَاتَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِیْ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ لَايَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كَذَالِكَ (مسلم، عن ثوبان)

''میری اُمت میں ہمیشہ ایک جماعت حق پر قائم رہے گی، کوئی اس کو نقصان نہیں

پہنچا سکے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم (یعنی قیامت) آ جائے اور وہ اسی حال میں ہوں گے''

______ اور امت کبھی 'ضلالت' پر جمع نہیں ہو گی۔

لا یجمع اللّٰہ ھذہ الامة علی الضلالة ابدًا و قال: ید اللّٰہ علی الجماعة الاعظم فانہ مَن شَذّ شُذّ فی النار (مستدرک علی الصحیحین، عن ابن عمر)

''اللہ تعالیٰ اس اُمت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: بڑی جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے، جس نے علیحدگی اختیار کی وہ دوزخ میں علیحدہ ہوا''

اس لیے یہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اب قیامت تک قرآن مجید کے ذریعے اپنے ذاتی زندگی کے نمونوں کے ساتھ مجاہدانہ کردار کے نور سے ہدایات کا سامان کرتی رہے گی۔

☆ امت محمدی کی عالمگیریت کا نتیجہ ہے کہ پچھلے چودہ سو سالوں سے دنیا کی ہر زبان، ہر لہجہ اور ہر علاقے میں مسلمان (جہاں بھی گئے ہیں) وہاں قرآن کی ہدایت کو عام کیا جا رہا ہے۔

☆ ختم نبوت اور امت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی عالمگیریت کے تصور سے یہ بات عیاں ہے کہ جیسے آپ ﷺ نے نصرت خداوندی سے اس دین کو دنیا میں غالب کر دکھایا اور خلافت راشدہ کا نظام قائم ہوا اور اس کے اثرات آج تک دنیا میں باقی ہیں۔ اسی طرح قربِ قیامت میں اللہ تعالیٰ کی مشیّت میں ہے کہ مسلمان امت کے ہاتھوں .... عام انسانی پیمانوں کے مطابق یہ دین اسلام دنیا میں پھر قائم ہوا اور اب یہ قائم ہو گا۔ اس حقیقت کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی ہے اور احادیث مبارکہ میں بھی وضاحت کے ساتھ آیا ہے اور ایک صدی قبل علامہ اقبال نے اس تصور کو خوب سمجھا، سمجھایا اور عام کیا ہے۔ علامہ اقبال کا کلام اس نکتہ کی تفسیر وتشریح ہے۔

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

☆ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس دین کی تجدید کے لیے مجددین کا سلسلہ جاری فرمایا چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا

اِنَّ اللّٰـهَ يَبۡعَثُ لِهٰذِهِ الۡاُمَّةِ عَلٰى رَأۡسِ كُلِّ مِأَةٍ مَنۡ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيۡنَهَا
''اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر سو سال پر ایسا شخص بھیجتا رہے گا جو اس کے لیے اس کے دین میں تجدید کردے گا۔'' (ابوداؤد۔عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

مسلمان امت ابتدا سے 1000 سال تک دو عروج اور دو زوالوں سے گزر چکی ہے۔ ختم نبوت اور آخری امت ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کی امت کو نصف دن یا 500 سال کی مدت اضافی دی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

انی لارجو ان لا تعجز امتی عند ربها ان یؤخرهم نصف یوم۔ فقیل لسعد و کم نصف یوم قال خمس مائة سنة (احمد،عن سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ)
''میں امید رکھتا ہوں کہ میری امت اپنے رب سے آدھے دن کی مزید مہلت پالینے سے عاجز نہیں ہوگی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آدھا دن کتنا ہوگا؟ انہوں نے فرمایا پانچ سو سال کا''

اکیسویں صدی کے آغاز پر امت مسلمہ تیسرے عروج کی طرف تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ تیسرے عروج کا بنیادی تجدیدی کام آج سے چار صدیاں قبل ہی شروع ہو گیا تھا۔

تیسرے عروج اور دورِ حاضر میں مسلمان امت کے لیے خطرات (THREATS) اور امکانات (OPPORTUNITIES) کی تفصیلات کو صحیح پس منظر میں سمجھنے کے لیے ہمیں اپنے دونوں عروج و زوال کی کہانی پر طائرانہ نظر ڈال لینی چاہیے تا کہ حالات و واقعات کی الجھی ہوئی ڈور کا پہلا سرا ہاتھ آ جائے تو آگے بڑھنا آسان ہوگا۔

مسلمانوں کی تاریخ میں دو عروج اور دو زوال

قرآن پاک میں بنی اسرائیل کی تاریخ کا تذکرہ ہے جس میں دو عروج اور دو زوال ہیں (ایک تیسرے 'دور' کا بھی اشارہ ہے جسے عروج کا 'سراب' (ILLUSION) کہا جا سکتا ہے) اسی ضمن میں ایک فرمانِ رسالت مآب ﷺ میں ہے کہ

لَيَـأۡتِيَـنَّ عَـلٰـى اُمَّتِـىۡ مَا اَتٰى عَلٰى بَنِىۡ اِسۡرَائِيۡلَ مَثَلاً بِمَثَلٍ حَذۡوَ النَّعۡلِ بِالنَّعۡلِ (مستدرک،عن ابن عمرو رضی اللہ عنہ)

''ضرور بضرور میری امت پر بھی بالکل اسی طرح کے حالات آئیں گے جیسے بنی اسرائیل پر آئے تھے، جس طرح ایک جوتا دوسرے کے برابر ہوتا ہے''

اس طرح مسلمانوں کے ایک ہزار سالہ ابتدائی دور یعنی 11ھ تا 1011ھ (632ء تا 1594ء) کے عرصے میں بھی دو عروج اور دو زوال واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ مسلمان چونکہ آخری امت ہیں اور ایک بین الاقوامی امت ہیں لہٰذا دورِ زوال میں بھی مسلمان بالکلیہ ختم نہیں ہوگئے بلکہ حضرت علامہ اقبال کی تعبیر کے مطابق ع اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے' کی کیفیت سامنے آئی ہے۔

مسلمانوں کا پہلا عروج

حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری انسانیت کے لیے ایک عظیم نعمت سے کم نہیں ہے، آپ ﷺ کی جدوجہد سے کل 23 سالوں میں سرزمین عرب میں اسلام غالب ہوگیا آپ کی وفات پر یہ دور خلافت راشدہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ آپ ﷺ کے تربیت یافتہ پاک سیرت اور اعلیٰ کردار کے مثالی انسان حضرات ابوبکر، عمر عثمان و علی رضی اللہ عنہم حکمران بنے اور وہ درویش حکمران تھے کل 25 سالوں میں اسلام افغانستان میں درّہ خیبر اور اوپر دریائے جیحون سے لے کر بحیرۂ عرب اور مشرق وسطیٰ سمیت مشرقی یورپ کے بعض حصے اور شمالی افریقہ تک پھیل گیا اور تاریخ کی یہ وسیع و عریض سلطنت فرعونی نحوست، رومی جبر اور بخت نصر کی سفاکی و درندگی سے پاک تھی۔ عدل و انصاف، بھائی چارہ، احترام جان و مال اور داخلی امن وامان کا مثالی دور تھا۔

یہ عروج خلافت راشدہ کے بعد دورِ بنوامیہ 40ھ تا 132ھ (661ء تا 750ء) اور دورِ بنوعباس 132ھ تا 656ھ (750ء تا 1258ء) تک پھیلا ہوا ہے۔ اسی دور میں اسلام بابِ اسلام سندھ میں بھی آ گیا اور سپین میں جا کر ایک عظیم سلطنت کی شکل اختیار کی جس نے یورپ کو آٹھ صدیوں تک علم وفن سے روشناس کرایا اور خوب سیراب کیا۔

قرآن مجید کے قانونِ عروج وزوال کے تحت 'ہر کمالے را زوال' کے اصول کا ظہور ہوا اور مسلمان اپنی ہی بدعملی، دین سے دوری، ایمان و یقین کے عمومی فقدان کی وجہ سے زوال کا شکار ہوگئے اور مسلمانوں کا دنیاوی عروج اور بادشاہت وحکومت ختم ہوگئی۔ جہاں جہاں تک

خلافت راشدہ تھی کم از کم وہاں تک مسلمانوں کا اقتدار ختم ہوگیا۔ یہ مسلمانوں کا پہلا دورِ عروج ہے مسلم ثقافت، فن تعمیر، ترقی، علوم وفنون کی فراوانی، عالمی تجارت اور سامانِ عیش وعشرت کی بہتات ہوئی۔ بغداد دنیا کی سب سے بڑی بندرگاہ، سب سے بڑا تجارتی مرکز اور علمی مرکز بن گیا اور صدیوں یہ صورت برقرار رہی۔ تا آنکہ شمال سے کاکیشیا کے راستے چنگیز خان اور ہلاکو خان نے آکر مسلمان اُمت کو تہس نہس کر دیا اور مسلم اقتدار خاک میں مل گیا۔

مسلمانوں کا دوسرا عروج

حضرت محمد ﷺ ساری انسانیت کے لئے پیغمبر تھے اور مسلمان دنیا کے ہر قبیلے، علاقے اور زبان کے لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کا دوسرا عروج غیر عرب اقوام میں ہوا ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ عربوں کا اسلام کے حقیقی نظریات سے دور ہونے کی وجہ سے زوال شروع ہوا جبکہ اسلام بطور دین تو اپنی جگہ قوی اور 'مضبوط' تھا۔

وہی چنگیز خان اور ہلاکو خان جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دین سے دوری اور بے وفائی پر سزا دی ـــــــ انہیں کی اولادوں کو اللہ تعالیٰ نے اسلام قبول کرنے کی توفیق دے دی۔ کہا جاسکتا ہے کہ چنگیز خان اور ہلاکو خان نے مسلمانوں کو فتح کیا یا زیر کرلیا اور اسلام نے چنگیز خان اور ہلاکو خان کی اولادوں کو فتح کرلیا۔ چنانچہ ایک صدی کے اندر اندر سائبیریا اور منگولیا سے اُٹھنے والی جابر قوت جب حضارت میں آکر اخلاق، کردار، انسانی اقدار اور اعلیٰ انسانی تخلیقی مقاصد سے روشناس ہوئی تو اسلام کی فطری تعلیمات کے آگے مزاحمت نہ کرسکی اور اسلام قبول کرلیا اور اس قوم کی جفاکشی، مجاہدانہ زندگی، دنیا سے کنارہ کشی اور بین الاقوامیت کی سوچ کے تحت اللہ تعالیٰ نے اسلام کا جھنڈا اسی قوم کے ہاتھ میں دے دیا۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں اور تاریخ بتائی ہے کہ دنیا کے اس متمدن علاقے میں تین عظیم سلطنتیں قائم ہوئیں وہ تینوں قوتیں اسی سائبیریا اور منگولیا کے علاقے کے لوگوں کی اولادیں تھیں جو دامن اسلام سے وابستہ ہوگئی تھیں ان شمالی اقوام کے اسلام کے قریب آنے، قبول کرنے اور بالآخر دیگر علاقائی اقوام پر غالب آنے کا عمل کوئی چار پانچ صدیاں جاری رہا۔ 1000ء سے لے کر 1530ء تک کے عرصے میں ہند میں اسلام نے مضبوط حکومتیں قائم کیں اور بالآخر مغل خاندان

حکمران بن گیا۔ اسی طرح ایران میں 1500ء کے لگ بھگ صفوی خاندان حکمران بنا جبکہ ـــــ مغربی ایشیا میں ترکستان کے علاقے کے مسلمان (ترک) برسراقتدار آئے ایک شاندار عثمانی سلطنت کی بنیاد رکھی جس نے بالآخر قسطنطنیہ فتح کرکے (1453ء) آدھے سے زیادہ یورپ (مشرقی حصہ) پر اسلام کا جھنڈا لہرادیا۔

مغربی یورپ میں طارق بن زیاد کے ہاتھوں اسلام 711ء میں ہی پہنچ گیا تھا چنانچہ عربوں کی یہ حکومت 1492ء تک مغربی نصف یورپ پر قائم رہی یہاں کی حکومت کے 1492ء میں زوال پذیر ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے عثمانیوں کے ہاتھوں قسطنطنیہ کی فتح کے ذریعے یورپ میں اسلام کا راستہ بنادیا چنانچہ مسلمان دیکھتے ہی دیکھتے قلب فرانس تک پہنچ گئے۔

مسلمانوں کا عروج ـــــ اسلامی اقدار کا زوال

مسلمانوں کی یہ تین بڑی حکومتیں شکست وریخت کے باوجود انیسویں صدی کے نصف (1850ء) تک بڑی مضبوط رہیں تاہم ان حکومتوں میں مسلمانوں کا تو عروج اور اقتدار تھا مگر اسلام کی دینی تعلیمات سے لگاؤ اور جہاد وتبلیغ کا جذبہ ـــــ ناپید تھا۔ مسلمان حاکم تھے مگر اسلام محکوم اور مجبور۔

لہٰذا ـــــ تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ ان حکومتوں پر بھی زوال مسلط ہوگیا۔ پہلے مغلیہ سلطنت ختم ہوئی پھر ایرانی سلطنت کے حصہ بخرے ہوگئے اور بالآخر روسی استعمار اور یورپی استعمار کے ہاتھوں سمٹتے سمٹتے عثمانی خلافت 1924ء میں بالکل ختم ہوگئی۔ تین براعظموں پر پھیلی تاریخ انسانی کی سب سے بڑی سلطنت ٹوٹی تو صرف 'ترکی' نام کا ملک رہ گیا اور وہ بھی سیکولر ـــــ اسلامی قوانین کی بجائے رومن لاء اور نظامِ خلافت کی بجائے جمہوریت کو اختیار کرلیا گیا۔ مصطفےٰ اتاترک کے ہاتھوں یہ سب کچھ ہوا۔ اس موقع پر علامہ اقبال نے اس کا مرثیہ کہا تھا:

؎ چاک کردی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ اوروں کی عیّاری بھی دیکھ

اور ؎ نہ مصطفےٰ نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
کہ روحِ شرق ہے بدن کی تلاش میں ابھی!

اس طرح مسلمانوں کا دوسرا زوال بھی 1000ھ یا 1594ء سے شروع ہوکر انیسویں صدی کے آغاز میں پہلی جنگ عظیم کے خاتمے پر اپنی منطقی انتہا کو پہنچ گیا اور مسلمانوں کی مرکزیت ختم ہوگئی اسلام کہیں سیاسی طور پر دنیا میں غالب نہ رہا۔ بس مسلمان نام کے کروڑوں افراد دنیا کے بیشتر علاقوں میں موجود تھے جو اپنی انفرادی معاملات اور عبادات میں کچھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نام لیتے تھے بس ـــــ اسلام کے اجتماعی احکام ـــــ نظامِ عدل اور معاشی احکام کی تنفیذ آہستہ آہستہ نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

خلافت راشدہ سے عثمانی خلافت تک

(11ھ، 632ء تا 1342 ھ 1924ء)

خلافت کا نظام خالق کائنات کا بنایا ہوا اور دیا ہوا نظام ہے جو فطرتِ انسانی اور نفسیات انسانی کے عین مطابق ہے یہی نظام ہے جو انسان کے تمام داخلی و خارجی داعیات کو راہِ راست پہ لاتا ہے (TO CHANNELISE) اور یوں غریب و امیر، حاکم و محکوم، عالم و عامی، شہری و دیہاتی، کالے اور گورے، عورت اور مرد سب کے حقوق کی یکساں نگرانی کرتا ہے اور ان حقوق کی فراہمی کا ذمہ دار ہے۔ یہ نظام کسی انسان کا تراشیدہ اور ذہن کی پیداوار نہیں ہے جبکہ دنیاوی دوسرے نظام انسانوں کے اپنے تراشیدہ اور ذہن کی پیداوار ہیں۔ اسی لئے یہ نظام ہمیشہ اشرافیہ اور حکمرانوں کے مفادات کی نگرانی کرتے ہیں اور عوام کو بے یارومددگار چھوڑے رکھتے ہیں اور اس طرح یہ نظام سب کے سب ایک یا دوسری شکل میں استحصالی نظام ہیں اور لوٹ کھوسٹ کو فروغ دیتے ہیں۔

تاریخ میں نظامِ خلافت یا انسان کے لئے ایک عادلانہ سماجی معاشی و سیاسی اجتماعی نظام انبیاء کرام علیہم السلام نے پیش کیا ہے اور ان کا بھی دعویٰ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ نے انہیں انسانوں کی بھلائی کے لئے عطا فرمایا ہے اور اس نظام کو عام کرنے، پھیلانے اور برپا کرنے کے لئے ان حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنا سب کچھ لگا دیا بلکہ اپنے پرخلوص پیروکاروں کو بھی اسی راہ میں سب کچھ نثار کرنے کا مشورہ دیا۔

اس پر مستزاد یہ کہ ان حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ذاتی زندگیاں بے نفسی، بے غرضی اور جاہ و جلال و مال کے لالچ سے بالکل پاک تھیں اسی لئے لوگوں نے ان کا ساتھ دیا۔ ان آسمانی

اور خدا کے عطا کردہ نظاموں میں سے آخری نظام نظامِ خلافت وہ تھا جو آج سے چودہ صدیاں پہلے حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی تھے اور آپ کے پرخلوص و پُر جوش صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت نے کمال ایثار و قربانی سے صرف 23 سالوں کے مختصر عرصے میں جزیرۂ نمائے عرب میں دین غالب کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو قرآن مجید کی شکل میں ایک کتاب بھی عطا فرمائی جو کتاب ہدایت بھی ہے اور اس نظامِ خلافت کے خدوخال اور برکات و فیوض کی وضاحت کرنے والی بھی ہے اور سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے تذکرے بھی ہیں۔

اس قرآنِ مجید میں بطور خاص یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ نظام ہی انسانیت کے لئے خیر و برکت کا موجب ہے اور دنیوی و اُخروی فلاح کا ضامن ہے مگر اللہ تعالیٰ کے پیغام بر حضرات علیہم السلام کے اس لائے ہوئے نظام کے پھیلنے سے ہمیشہ ایک مقتدر طبقہ کے مفادات پر زد آتی تھی۔ یہ طبقہ شیطانی اور ابلیسی سوچ کے تحت لوٹ کھسوٹ، بے انصافی، بے حیائی اور ابلیسی سوچ کو ہی اپنا مطمع نظر بناتے رہے ہیں اور خدا کی زمین پر خدائی کے دعویٰ کر کے مخلوقِ خدا کو گمراہ کرتے رہے ہیں۔

قرآن پاک میں انبیاء کرام علیہم السلام..... کا ذکر ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے پیغمبروں کی مدد کی، اہل حق کا ساتھ دیا اور ان فرعونوں، نمرودوں اور خدائی کے دعویداروں کو نشانِ عبرت بنایا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی کسی پیغمبر علیہم السلام نے لوگوں کی زندگیوں کو اللہ کے نظام کے تحت لانے کی کوشش کی ہے اور اس دعوت کو لے کر کھڑے ہوئے ہیں ـــــ ایسے مفاد پرست اور لوٹ کھسوٹ پر ایمان رکھنے والے لوگوں نے ہی اپنے ظلم و جبر کی حکومتوں کو جاری رکھنے کے لئے ان پیغمبروں کی مخالفت بھی کی ہے اور ان کا راستہ روکا ہے حتیٰ کہ ان پیغمبروں میں سے بعض کو قتل بھی کرتے رہے ہیں۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام میں سے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کا لایا ہوا قرآن مجید اور برپا کردہ نظامِ خلافت جو دورِ صحابہ میں خلافت راشدہ کہلایا اور متمدن دنیا کے ایک وسیع رقبے

پر تین براعظموں پر پھیل گیا یہی نظام انسانیت کی حقیقی فلاح کا ضامن تھا اور آج بھی ہے۔ پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح حضرت محمد ﷺ کے مخالفوں (مکہ کے مشرکین، مدینہ اور اطرافِ مدینہ کے یہود جو دراصل ZIONS تھے اور حضرت محمد ﷺ کو قتل کرنے اور اس عادلانہ اجتماعی نظام کا راستہ روکنے کے لئے مدینے میں صدیوں پہلے سب آباد تھے اور نصاریٰ) نے آپ ﷺ کو ہر طرح سے ستایا ایذائیں دیں جنگوں کے ذریعے راستہ سے ہٹانے کی کوشش کی مگر انسانیت کی خوش نصیبی اور خوش بختی کہ حضرت محمد ﷺ کے لایا ہوا یہ نظام خلافت ـــــ جو آپ ﷺ کی رحمت للعالمینی کا مظہر تھا اور جس کی برکات سے نظام خلافت کے تحت مسلم اور غیر مسلم یکساں مستفیض ہوتے رہے ـــــ دنیا میں نافذ ہوگیا۔ ہماری دُعاؤں کے حقدار ہیں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جنہوں نے جانوں کا نذرانہ دے کر اس مقدس اور انسان دوست نظام کو دنیا میں نافذ کیا اور اس کو عملی طور پر کامیابی سے چلا کر انسانیت کو دکھایا بھی کہ انسانی فلاح ـــــ بادشاہتوں، خدائی کے دعویداروں، لوٹ کھسوٹ کرنے والوں کی حکمرانی اور ان کے زیر سایہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے میں نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نظام میں ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات نے ہی انسانوں کو جگایا کہ انسان انسان پر خدا بن کر کیوں بیٹھے ایسے ننگ انسانیت فرعونوں اور نمرودوں کے خلافت انسانیت کو بغاوت کرنی چاہیے اور شرافت انسانی اور دیانت انسانی کا تقاضا ہے کہ لوگ دنیا میں عادلانہ اجتماعی نظام لانے کی کوشش کریں۔ اس کو برپا کر کے انسانیت کو ظالموں کے ظلم سے بچالیں۔

خلافت راشدہ کا نظام آیا اور اس کی برکات سے انسانیت نے سکھ کا سانس لیا۔ اس نظام کو پھیلانے اور EXPORT کرنے کے لئے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت نکلی تو ایران، روم، مصر و ہند کی حکومتوں کے بادشاہ اپنے ظلم کی وجہ سے مقابلہ نہ کر سکے اور ختم ہوگئے۔ باقی رہا تو یہ نظام خلافت جو چھ صدیاں تمام متمدن دنیا میں بلاشرکت غیرے حکمرانی کرتا رہے اور دنیا بھر میں کوئی مخالف قوت سر نہ اُٹھا سکی تا آنکہ ـــــ مسلمان خود کمزور ہوگئے اور اسلام کے اُصولوں سے دور ہٹ گئے تو زوال آیا۔

خلافت راشدہ سے خلافت عثمانی تک مسلمان جہاں جہاں گئے جہاں جہاں آباد ہوئے مسلمان آج بھی وہاں ہیں اور مسلم معاشرے دنیا میں شرم وحیا، عفت پاکدامنی، امانت،

دیانت، سچ، عدل وانصاف، بلالحاظ رنگ ونسل و مذہب وملت تمام انسانوں کو بنیادی حقوق دینے والے انسانوں کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔ مسلم معاشرے میں جب تک ان اقدار کا فروغ رہا اللہ نے ان کو اقتدار دیے رکھا اور جب مسلمانوں نے بھی غیر مسلم حکمرانوں اور مغرب کے حکمرانوں کی دیکھا دیکھی ظالمانہ روش اپنائی اور استحصالی سوچ اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غیروں کا محکوم بنادیا اور خلافت کا نظام بھی دنیا سے ختم ہوگیا۔

یہ خلافت کا نظام مسلمانوں کی وحدت ملی کا مظہر، اجتماعیت کا نشان، ایک عادلانہ اجتماعی نظام کی مثال اور سماجی معاشی اور سیاسی سطح پر بلالحاظ سے رنگ ونسل، مذہب وملت تمام انسانوں کے بنیادی حقوق کا ضامن تھا۔ اس نظام کے ختم ہونے سے مسلمان علاقائی حکومتوں میں بٹ گئے اور مغرب کے لئے اور مغربی استعمار یعنی صہیونیت کے لئے سبز چارہ بن گئے جن پر اس نے آسانی سے قبضہ جمالیا۔

پھر بھی ـــــ یہ نظامِ خلافت ہی کی برکات ہیں کہ دنیا میں خاندانی نظام، عفت وعصمت کے تصوّرات، حیاو پاکدامنی کا تذکرہ، والدین کا ادب، رحمی رشتوں کی تمیز اور لباس کا تصور پایا جاتا ہے ورنہ ـــــ اسلام سے باہر (اس نظام خلافت سے باہر) کی بظاہر مہذّب دنیا کے انسانوں میں بھی لباس، انسانی اقدار، شرم وحیا اور رشتوں کی تمیز وغیرہ کے تصوّرات اب قصۂ ماضی بن چکے ہیں اور یہ معاشرے بظاہر انسان اور درحقیقت حیوان بن چکے ہیں۔ اس سوچ سے کسی درجے میں بچے ہوئے یا اس راہ کی رکاوٹ ہیں تو صرف مسلم معاشرے اور اس کے بھی قدامت پرست مسلمان (ORTHODOX MUSLIMS)۔ بقول علامہ اقبال

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰؐ اور را بہا ست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است

ـــــ اور یہی بات آج کے مقتدر مغربی قوتوں (ZIONS) کو ایک آنکھ نہیں بھاتی اور وہ ان اقدار کو ختم کرنے کے لئے مسلم حکومتوں اور مسلمانوں سے عملاً غیر علانیہ طور پر صلیبی جنگیں گزشتہ

ربع صدی سے لڑ رہے ہیں۔

احیائے اسلام کی کوششیں

آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے نبوت رسالت کو ختم کر دیا یعنی نبوت و رسالت اور آسمانی کتابوں کا سلسلہ اپنی تکمیلی شان کو پہنچ کر آپ ﷺ کو آخری وحی کے ساتھ آخری نبی بنا کر وحی آسمانی کا سلسلہ ختم کر دیا۔

پہلے ہدایت کے لئے پیغمبر علیہم السلام تشریف لاتے رہے اور انسانوں کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ یہ ختم نبوت کا تصور دراصل اولادِ آدم یا اُمت محمد ﷺ پر ایک گونہ اعتماد کا مظہر ہے کہ اب انسان اس درجے 'بلوغ' پر پہنچ چکا ہے اور علوم نے اتنی ترقی بھی کر لی ہے کہ قرآن مجید ـــــ جو آخری کتاب اور 'نوع انساں را پیامِ آخریں' ہے، کی موجودگی میں انسان ایک قرآن مجید کے محکمات، اصولوں اور جوامع الکلم سے تفصیلات خود اخذ کر لے گا اور یوں ہر دور کا انسان اپنے لئے ہدایت کا سامان کر لے گا۔

حضرات مجددین کا سلسلہ

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے احسانات اور اُمت محمد ﷺ کی خصوصیات کا پہلے بھی ذکر آیا ہے ان خصوصیات میں ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر صدی بعد اصلاحِ احوال کے لئے 'مجدد' بھیجتا رہے گا۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِأَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا

''اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر سو سال پر ایسا شخص بھیجتا رہے گا جو اس کے لیے اس کے دین میں تجدید کر دے گا۔'' (ابوداؤد۔عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

ختم نبوت کے اعزاز کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی امت کو 'احیائے اسلام' اور احیائے دین کی سعادت بھی بخشی ہے اور اس کے لئے آپ ﷺ کی زبان حق ترجمان سے کئی فضیلتیں ہم تک پہنچی ہیں

☆ پہلا فرمان تو بڑا مشہور ہے کہ ختم نبوت کے بعد اب دین کے جاننے والے اور اس پر عمل کرنے والے (عالم) ایک خاص درجے اور فضیلت کے مستحق ہیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

وَ اِنَّ الْعَالِمَ لَیَسْتَغْفِرُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمَاوَاتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ حَتّٰی الْحِیْتَانُ فِی الْمَآءِ وَ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلٰی سَائِرِ الْکَوَاکِبِ اِنَّ الْعُلَمَآءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَآءِ، اِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا وَ لَادِرْهَمًا اِنَّمَا وَرَّثُوْا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَ بِهٖ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ (ترمذی،عن ابی الدرداءؓ)

''اور بے شک عالم کے لیے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے، دعائے مغفرت کرتی ہے یہاں تک کہ دریاؤں کی مچھلیاں بھی۔ اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسے چاند کی باقی ستاروں پر۔ بے شک علماء انبیاء کرام (علیہم السلام) کے وارث ہیں۔ انبیاء درہم و دینار (مال و دولت) کا وارث نہیں بناتے بلکہ وہ علم کا وارث بناتے ہیں لہٰذا جس نے علم حاصل کیا اس نے بہت نصیب حاصل کیا''

عام انسان اور بالخصوص جوانوں کے لئے آپ ﷺ نے کام کا ایک وسیع میدان سامنے کر دیا۔ حضرت حسن رحمہ اللہ سے جو قول مبارک مرسلاً مروی ہے وہ یہ ہے:

مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَ هُوَ یَطْلُبُ الْعِلْمَ لِیُحْیِیَ بِهِ الْاِسْلَامَ فَبَیْنَهٗ وَ بَیْنَ النَّبِیِّیْنَ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِی الْجَنَّةِ (دارمی عن الحسن مرسلاً)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کو اس حالت میں موت آئی کہ وہ علم (اس نیت سے) حاصل کر رہا تھا کہ اس کے ذریعے اسلام کو زندہ کرے، اس کے اور نبیوں کے درمیان جنت میں صرف ایک درجے کا فرق ہوگا۔''

گویا ـــــ احیائے دین اور احیائے اسلام کا جذبہ صادق ہو اور اصلاح احوال اور اصلاح معاشرہ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی فکر دامن گیر ہو تو کام کی کمی ہے نہ کام کے مواقع کی کمی ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب کی کمی ہے۔

چنانچہ ایسے ہی ہمت بندھانے والے (INCENTIVE) فضائل کو پڑھ کر مسلمانوں میں ہر دور میں ہر سطح پر اصلاح احوال کا کام ہوا ہے یہ کام اعزازی اور رضا کارانہ تھا اور ہر ذی شعور مسلمان نے اپنے طور پر اس فرض کو ادا کرنے کی بھرپور سعی کی ہے۔ تاہم مجدّدین امت کا معاملہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب تھا لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخ اسلام میں مجددین امت نے بھی

خوب کام کیا ہے امت مسلمہ کی کشتی کو ہر بھنور سے نکالنے کی بروقت اور بھرپور کوششیں فرمائیں۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ایک ہزار سال تک سارے مجددین امت سرزمین عرب اور مشرق وسطی میں آئے ہیں۔ان میں نمایاں نام حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، امام غزالی، امام تیمیہ رحمۃ اللہ علیہم وغیرھم ہیں۔ جبکہ 1000ھ گزرنے کے بعد مشیت ایزدی میں لگتا ہے کہ احیائے اُمت اور احیائے اسلام و دین کا سلسلہ جنوبی ایشیا میں منتقل ہو گیا ہے لہٰذا اہل علم جانتے ہیں کہ چند صدیوں سے مجددین کا سلسلہ پاک و ہند کے علاقے میں ہی موجود رہا ہے۔اگرچہ مجددین کے تصور میں ایک صدی میں دنیا کے مختلف علاقوں میں ایک سے زیادہ مجددین کا موجود ہونا بھی کوئی بعید از قیاس بات نہیں ہے تاہم پاک و ہند میں مجددین امت بڑے اہتمام سے آئے ہیں اور انہوں نے بڑے نمایاں کارنامے سرانجام دیے ہیں۔

گیارہویں صدی کے مجدد حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔آپ کے نام کا حصہ ہی لفظ مجدد ہے اور الف ثانی کا مطلب ہے دوسرے ہزار سال (کے آغاز پر)۔ گویا شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ایک ہزار سال کے خاتمے پر امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پاک و ہند کے علاقے میں مجدد بن کر آئے تھے۔آپ نے اکبر اعظم کے ارتداد کا مقابلہ کیا، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور ہندوؤں کی اسلام کو زک پہنچا کر ہندومت کے احیاء کی راہ ہموار کرنے کی کوششوں کا قلع قمع کر دیا۔

☆ اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے علمی اور عملی سطح پر امت کا تعلق قرآن و حدیث کے اصل اور صافی چشموں کے ساتھ جوڑنے کا اہم کام کیا ہے اور علم حدیث کی تعلیم و ترویج کا اس علاقہ میں بڑا کام کیا ہے۔

شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے ہند میں مغلیہ خاندان کی اصلاح کا سامان ہو گیا۔اکبر اعظم کے ملحدانہ اور ارتدادی خیالات کے برعکس اس کے بیٹے جہانگیر نے توبہ کر لی، شاہجہان نے اسلام کی طرف سلطنت کا رخ کر دیا اور اورنگ زیب عالمگیر نے ہندومت کا منصوبہ ناکام بنا کر اسلام کی خدمت کی، نہ صرف خود اچھا مسلمان بن کر زندگی گزاری

بلکہ فتاویٰ عالمگیری نافذ کر کے اسلام کے نفاذ کی کوشش کی۔ چنانچہ ہمارے نزدیک اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ بھی مجدد وقت تھے۔اورنگ زیب عالمگیر 1656ء سے 1707ء تک حکمران رہے۔

☆ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (1703ء-1761ء) نے اسلام کی ترویج اور عوام میں اسلامی تعلیمات کے فروغ اور ان پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا کرنے کا بڑا کام کیا، اس کے لیے ضروری تصانیف تحریر فرمائیں اور علمی و عملی رہنمائی فرمائی۔ ان کے علمی موقف کو تصوّف کے سارے مسالک، فقہ کے تمام مذاہب اور اہل سنت کے سب علماء تسلیم کرتے ہیں اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ان کی اولاد نے بھی اس ضمن میں بڑا کام کیا۔قرآن مجید کے علوم کی طرف ایک عمومی رجحان پیدا کرنے میں ان کی اولاد کے ترجموں اور تحریک شہیدین نے بڑا کام کیا جس کے اثرات آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

☆ اس کے بعد 1300 ہجری کے بعد جنوبی ایشیا میں بیک وقت کئی اہم شخصیات ہیں جو یقیناً اپنے اپنے شعبہ میں تجدید دین کا کام کر گئے ہیں۔ شیخ محمود حسن جیسا مجاہد حریت اور عالم، مولانا ابوالکلام جیسا مبلغ مقرر اور داعی قرآن، حضرت علامہ اقبال جیسا داعی قرآن عاشق رسول اور داعی اسلامی انقلاب، مولانا محمد الیاس کاندھلوی جیسا انتھک مبلغ جنہوں نے تبلیغی جماعت کی بنیاد رکھی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی جیسی تحریکی، علمی اور صاحب قلم شخصیت جن کی تحریروں کا جادو پون صدی بعد بھی بڑا اثر انگیز ہے۔تحریک خلافت کے لیے کام کرنے والے حضرات مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت جوہر جیسی شخصیات دنیا کے دیگر علاقوں میں نہیں ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہم۔

☆ اب یہاں کا روحانی فیض روسی علاقہ جات، ترکی، افغانستان اور مشرق وسطی تک پھیل رہا ہے۔علامہ اقبال کے کلام اور مولانا مودودی کی تحریروں سے مشرق وسطی کا نوجوان اور ایران کی نئی نسل بدل گئی، خود جنوبی ایشیا میں انہیں لوگوں کی انتھک مساعی سے بڑا کام ہوا ہے جس نے آگے چل کر ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی۔

☆ <u>تحریک خلافت، تحریک پاکستان بن گئی:</u> صہیونیت، یورپی صنعتی استعمار اور روس کی مشترکہ کوششوں سے جب ترکی میں خلافت ختم ہوئی تو سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے ہو گئے مشرقِ وسطیٰ میں چھوٹے چھوٹے ممالک بنا دیے گئے اور یروشلم میں یہودیوں کے خواب کی

تعبیر ـــــ اسرائیل کے قیام کے لئے راہ ہموار ہوگئی۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران ایک اور اکھاڑ پچھاڑ کے بعد ـــــ مئی 1948ء میں اسرائیل ملک وجود میں آ گیا۔

ترکی میں خلافت ختم ہوئی استنبول (جو دراصل اسلام بول اور اسلام آباد کے قریب المعنی لفظ ہے اور ترکوں نے قسطنطنیہ کا نام بدل کر یہ رکھ دیا تھا) میں مصطفیٰ کمال اتاترک نے اسلامی قانون اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے تصور کو منسوخ کر کے جمہوریت، عوامی حاکمیت اور رومن لاء (ROMAN-LAW) نافذ کر دیا جس سے عالم اسلام میں بے چینی پھیل گئی پوری دنیا کا مسلمان غلام تھا باقی دنیا میں تو صرف زبانی کلامی احتجاج ہوا۔ مگر جنوبی ایشیا (برطانوی ہند) میں انگریز کے غلام ہونے کے باوجود ایسی زوردار تحریک چلی کہ مسلمانوں کی مرکزیت اور خلافت کو انگریز نے کیوں ختم کر دیا۔ لہٰذا یورپی استعمار ہمارا دشمن ہے پورے ملک میں ہنگامے شروع ہو گئے اور خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ شاید انگریز کو جنوبی ایشیا سے نکلنا پڑے اس خطرے کی وجہ سے (یا انگریز نے ہندو دوستی اور ان پر مسلمانوں کے خلاف کام لینے کا اعتماد کرتے ہوئے اس تحریک کو کمزور کرنے کے لئے) مہاتما گاندھی جی کو بھی اس خالص مسلم تحریک میں شامل ہونا پڑا؛ مبادا انگریز چلا جائے اور سارا ملک مسلمانوں کو دے جائے۔

ایک عشرہ پہلے علامہ اقبال نے شکوہ جوابِ شکوہ لکھی تھی۔ یہ مسلمان مجددین کی دینی مساعی ہی کا مجموعی اثر تھا کہ جنوبی ایشیا کا مسلمان بیدار ہو گیا اور اپنے حقوق کے لئے کمربستہ ہو گیا۔ اسی دور میں علامہ اقبال نے 'طلوع اسلام' نظم لکھی کہ مغرب میں ڈوبا ہوا اسلامی اقتدار کا سورج مشرق سے جلد طلوع ہونے والا ہے اور تحریک خلافت کے جذبے کو اس کی بنیاد قرار دیا۔ اگلے دو عشروں میں چار سو سالہ مسلم اکابرین کی احیائے اسلام کی مساعی کا نتیجہ یہ نکلا کہ 1940ء میں مسلم لیگ نے تحریک پاکستان کا آغاز کیا اور بالآخر اگست 1947ء میں (اسرائیل کے قیام سے ایک سال پہلے) اللہ تعالیٰ نے اسلام کے مستقبل کا امین اور جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی احیائے اسلام کی مساعی کے نتیجے میں نظامِ خلافت کی بحالی کے خوابوں کی سرزمین 'پاکستان' عطا کر دیا۔

مجدّدین اسلام کی مساعی، حضرت علامہ اقبال کا کلام اور حضرت قائداعظم کی تقاریر کا حاصل یہ ہے کہ یہ ملک اسلام اور قرآن کی تعلیمات کے مطابق مسلمانوں کو اپنی اجتماعی زندگی کا

نمونہ دکھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دیا تھا۔

اگر چہ ـــــ گزشتہ چھ عشروں میں اپنوں کی سادگی، بے حسی، غفلت، بے وقوفی اور صہیونیت کی چالاکیاں، شرارتیں، سازشیں اور اسلام دشمنی کے ساتھ حضرت محمد ﷺ اور ان کے لائے ہوئے قرآن مجید سے صدیوں پرانا بیر (RESENTMENT) پاکستان کو سکون نہیں لینے دے رہا۔ مغربی استعمار کے پردے میں صہیونیت پاکستان میں اسلام کے غلبے اور احیائے نظام خلافت کو اپنے ابلیسی مقاصد اور اسرائیل کے وجود کے لئے خطرے کی گھنٹی سمجھتا ہے WB، IMF اور UNO کے شیطانی چال کے ذریعے پاکستان میں ہر روز کوئی نیا فتنہ، نیو شوشہ اور نیا مسئلہ کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ پاکستان کو بچا رہا ہے۔ صہیونیت اور مغربی استعمار تو پاکستان کو اپنے زعم میں کئی دفعہ 'مار' چکے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی 'مرضی' ہے کہ یہ ملک باقی رہے اور 'وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ' اور 'وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ' کی نوید جانفزا کا مصداق بنے، یہی وجہ ہے کہ یہ ملک زندہ ہے۔

حیرت ہے ـــــ دنیا میں واحد ملک پاکستان ہے:

- ☆ جس سے ساری دنیا ناخوش ہے،
- ☆ اس کے سارے پڑوسی اس سے نالاں ہیں،
- ☆ UNO ناراض ہے،
- ☆ عالمی طاقتیں ناراض ہیں،
- ☆ WB, IMF کا مقروض اور DEFAULTER ہے،
- ☆ صہیونیت اور اسرائیل کے لئے ڈراؤنا خواب ہے،
- ☆ اس ملک کے عوام بھی ناخوش ہیں کہ اس ملک نے ہمیں بھوک، افلاس، بجلی کی کمی اور بے روزگاری کے سوا کیا دیا ہے،
- ☆ حکمران بھی ناخوش ہیں کہ عوام ہمیں پریشان کرتے ہیں اور سکون سے ملک لوٹنے نہیں دیتے،
- ☆ فوج بھی عوام سے نالاں کہ عوام اس کے فیصلوں پر کبھی کبھی تنقید کیوں کرتے ہیں،
- ☆ G-15 کے ممالک ناراض ہیں۔
- ☆ الغرض اللہ تعالیٰ بھی مسلمانانِ پاکستان سے ناراض کہ سودی معیشت، ہندوانہ رسمیں،

نصرانی تہذیب اور دین سے بے اعتنائی؛ لہٰذا ـــــــ حالات کے حوالے رہو۔

پھر بھی یہ ملک چھ عشروں سے قائم ودائم ہے صرف اس لئے کہ اس ملک کی بنیادوں میں:

☆ 'الف ثانی' دوسری ہزاری یعنی 1001ھ کے بعد کی ساری احیائی کوششوں کا قیمتی سرمایہ مدفون ہے۔

☆ علامہ اقبال جیسے انقلابی، شیخ الہند جیسے آزادی اور استخلاصِ وطن کے داعی، مولانا محمد الیاس کاندھلوی، مولانا مودودی، ڈاکٹر اسرار احمد، مفتی محمود، مولانا شاہ احمد نورانی اور دیگر اکابرین ملت کی انتھک محنتوں کا خون پسینہ یہیں جذب ہوا ہے۔

☆ اسلام کے عالمی غلبے کے خواب کی کوئی تعبیر پاکستان کے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے اور واحد مسلم ایٹمی طاقت ہونے کے ناطے اس سمت میں آگے بڑھنے اور اپنے مقصد وجود کو حاصل کرنے کے علاوہ دور دور تک نظر نہیں آتی۔

☆ اس ملک کے حصول کے دوران اور تقسیم ہند کے موقع پر بے شمار گمنام مسلمانوں کی دعاؤں، اُن کی آہوں، سسکیوں اور شہادتوں کا سرمایہ اسی سرزمین میں کھاد بن کر ڈالا گیا ہے۔ ہماری لاکھوں ماؤں، بہنوں، بہوؤں، بیٹوں کا خون اور عزت وآبرو کی قربانیاں اسلام کے احیاء اور نظام خلافت کے دوبارہ وجود میں لانے کے لئے ہی دی گئی تھیں۔ اپنے تو اپنے دشمن بھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ قربانیاں پاکستان میں برسر اقتدار رہنے والے طبقے کی غالب اکثریت:

☆ جو غدار ابن غدار تھے۔

☆ جو عیاش بے لگام اور انگریز کے پروردہ تھے۔

☆ جن کو جاگیریں دے کر انگریز نے ہم پر مسلّط کیا تھا۔

☆ جو مغربی امریکی اشیر باد پر ملک کے آئین کو توڑ کر مغربی خواہشات اور ان کے مقاصد کو پورا کرتے رہے۔

☆ جو ملکی وسائل کو لوٹ کر اپنے نام پر جمع کرتے رہے۔

☆ جو اسلام سے بے بہرہ ہیں۔

☆ جو مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبال کے فکر سے بے بہرہ اور حضرت قائداعظم کے

بے شمار فرمودات کے فہم سے کورے، نظریۂ پاکستان کی الف ب ت کو بھی نہ سمجھتے ہیں نہ سمجھنے کی کوشش کرنے کے لئے تیار ہیں۔

☆ جو آج بھی مغربی آقاؤں کے بے دام غلام اور زر خرید ہیں۔

وغیرہ وغیرہ کے لئے دی گئی تھیں۔

☆ ان حالات کی سوائے اس کے کوئی تعبیر نہیں ہے کہ دشمن نے پاکستان کو ہر طرف سے دبا رکھا ہے اور انہیں یقین ہے کہ اس ملک سے ہی اسلام کے احیائے نظام خلافت کا خواب پورا ہوگا وہ تو پاکستان کو سنبھلنے سے پہلے ہی ختم کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ـــــ جیسے پاکستان اسباب اور حالات و واقعات کے علی الرغم اور تاریخ کے بہاؤ کے بالکل مخالف بن گیا اسی طرح اس کا چھ عشرے زندہ رہ جانا بھی عالمی تجزیہ نگاروں کے لئے پریشانی کا باعث ہے۔

یہ مشیت ایزدی ہے کہ اللہ تعالیٰ عالمی غلبۂ اسلام کے اپنے منصوبے کو بروئے کار لانے کے لئے اسی سرزمین سے آغاز فرمائے گا۔ اس کے کئی آثار و شواہد موجود ہیں اور سامنے آتے رہتے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے ـــــ کہ دردمند مسلمان سستی اور غفلت چھوڑیں، سچی توبہ کریں ـــــ اسلام اور احیائے نظام خلافت کے لئے کمر بستہ ہو جائیں ـــــ مشکلات کے ساتھ مصیبتیں جھیلنے کا فیصلہ کر لیں تو وہ وقت اب دور نہیں جب احیائے نظام کے خواب کی تعبیر ہماری نگاہوں کے سامنے ہوگی۔

ہماری سوچ کے مطابق پاکستان ـــــ اس وقت عالمی طاقتوں کے ہاتھوں میں ایسا ہی ہے جیسا ـــــ لوہے کی کوئی چیز بنانے کے لئے خام لوہا ـــــ لوہاروں اور آہن گروں کی آئرن (IRON) پر رکھا لوہے کا ٹکڑا ـــــ بڑے بڑے ہتھوڑوں کی ضربیں کھا رہا ہوتا ہے اور لوہار کبھی اس کو دائیں موڑتا ہے کبھی بائیں کبھی اس کی سیدھائی دیکھتا ہے کبھی ٹھنڈا کرتا ہے پھر گرم کر کے پھر ضربیں لگا کر کوئی خاص نمونہ کی چیز بنا دیتا ہے۔ اس عمل کے دوران کسی دیکھنے والے کو سمجھ بھی نہیں آ سکتا کہ یہ لوہے کا ٹکڑا کیا بننے جا رہا ہے صرف اس کو بنانے والے کے ذہن میں اس کا نقشہ ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ چیز تیار ہو کر سامنے آ جائے۔

اس وقت عالمی مغربی آہن گروں کے ہاتھوں حالات کی 'آئرن' پر (خدائی منصوبے

میں) پاکستان کو مستقبل کی عالمی طاقت پر ڈھالا جا رہا ہے یا ـــــ جیسے آج کل بیوٹی پارلر گلی گلی کھل گئے ہیں اور کئی جگہ بورڈ نظر آتے ہیں کہ شادی کے لئے 'دولہا' کی مکمل تیاری اور میک اپ۔ کبھی ان پارلرز میں دولہا کو تیاری میں دیکھ لیں تو شاید آپ کو ترس آ جائے کہ کس کوفت، تکلیف ، ہیئت کذائی اور صبر آزما مراحل سے اس کو گزارا جاتا ہے ـــــ تب جا کر وہ دولہا بنتا ہے بالوں کا سٹائل، تراش خراش، پگڑی کپڑے، میک اپ رنگوں کا امتزاج ـــــ کہ دنیا عش عش کر اُٹھے۔

پاکستان کا کردار عالمی سطح پر اگلے دو عشروں میں 'دولہا' کا کردار ہے۔ یہ تکلیف تیاری کے مراحل ہیں۔ اس دوران میں ہمیں دینی ذمہ داریاں سمجھنا چاہئیں اور پھر ادا کرنی چاہئیں، اپنے حصے کام کرنا چاہیے اور خود اچھا مسلمان بن کر نمونہ کی زندگی گزارنی چاہیے، دوسروں کو اس کی دعوت دینی چاہیے اور اپنے یقین و ایمان میں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمودات میں وارد اسلام کے عالمی غلبے کی خوش خبریوں پر مکمل اعتماد میں کوئی دراڑ یا رخنہ نہیں پڑنے دینا چاہیے۔

؎ عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے
شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی

پاکستان و افغانستان کا یہ خطہ جو کبھی خراساں کہلاتا تھا ـــــ اسلام کے شاندار مستقبل کا امین ہے اور ہم اسی خطے کے باسی ہیں ہمیں اسلام سے وابستہ رہ کر اس امانت کا حق ادا کرنا ہے اور یہ ہمارے ذمہ قرض ہے اور یہ فریضہ قدرت نے ہمارے نام لکھ دیا ہے یہ ایک اعزاز ہے اور قابل فخر اعزاز ہے۔ اس علاقے سے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں جس کے مطابق قرب قیامت میں اسلام کے عالمی غلبے کے سلسلے میں کی جانے والی کئی اہم کاروائیوں کا مرکز و محور یہی علاقہ ہے۔ دیر اُٹھنے اور فرض پہچاننے کی ہے۔

؎ خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو، زباں تو ہے
یقین پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے

یاجوج ماجوج نمبر
کا تتمہ ————— یعنی

بعض باتیں جن کا صراحتاً تذکرہ نہ ہوسکا' دیر سے آنا کبھی نہ آنے سے بہتر ہوتا ہے' (BETTER LATE THAN NEVER) کے انداز میں درج کی جارہی ہیں۔ امید ہے کہ قارئین حکمت بالغہ ان کو مفید مطلب پائیں گے۔

1۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جادوگروں کا ایمان لے آنا

بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام پر غیر بنی اسرائیل لوگ بھی ایمان لاتے رہے، فرعون کی بیوی حضرت آسیہ علیہا السلام جن کا مقدس ذکر قرآن پاک نے کیا ہے وہ بھی ایمان لے آئی تھی اس کے ساتھ اس کی دنیاوی وجاہت وحیثیت کے مطابق پورا کنبہ قبیلہ اور متعلقہ ہزاروں افراد بھی دین اسلام سے متعارف ہوگئے اور بنی اسرائیل کے معتقد بن گئے۔

اسی طرح بھرے مجمع میں فرعون کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سرخرو ہونے پر جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے، یہ جادوگر مختلف علاقوں سے آئے تھے اور اپنے اپنے علاقے کے مؤثر لوگوں میں سے تھے اور ان علاقوں کے لوگوں پر ان کا اثر (HOLD) بھی ہوگا۔ اس واقعہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کا اثر پوری قبطی سلطنت میں پھیل گیا اور یقیناً بہت سے لوگ دین اسلام کے دامن رحمت میں آ گئے ہوں گے۔

انہیں جادوگروں کے ایمان لانے کے واقعے سے پورے ملک کے جادوگروں اور بنی اسرائیل کے باہمی تعلقات اور میل جول میں اضافہ ہوگیا، اس واقعے کے بعد بنی اسرائیل کے شریر گروہ نے جو ابلیس کے زیر اثر تھا، جادوگری کے سیکھنے سکھانے پر لوگوں کو آمادہ کرلیا۔ وجہ بڑی معقول ہے کہ دیکھو جادوگر ایمان لے آئے اور فرعون ایمان نہیں لا سکا؛ لہٰذا

'جادوگری' سے 'معرفت حق' میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی جادوگری کے زیر اثر سارے توہماتی علوم (OCCULT SCIENCES) پروان چڑھتے ہیں اور اسی راہ پر چلیں تو اس کا اہم حصہ علم الاعداد (NUMBEROLOGY) ہے جسے یہود نے آگے چل کر اختیار کرلیا۔ تورات غائب کردی اور اس کی جگہ 'درویشی' کے لبادہ میں 'قبالہ' کے نام سے اپنا 'تصوف' ایجاد کرلیا اور علم الاعداد کے ذریعے تورات کے علوم کو اپنے خاص طبقہ تک محدود کرلیا۔ آج دنیا میں تورات، زبور اور انجیل نامی کتابیں موجود تو ہیں مگر یہ 'جعلی' ہیں صرف نام کا اشتراک ہے اصل متون (TEXTS) تو صدیوں پہلے غائب ہوچکے، یہ خود ساختہ، خود تراشیدہ (COOKED) اور یادداشتوں کی بنا پر کتابیں سامنے لائی گئیں تاکہ عوام میں یہی پھیلیں جبکہ اصل تعلیمات علم الاعداد کے ذریعے اپنے پاس محفوظ کرلیں جو صرف صہیونیت کے مرکزی طبقہ کے لوگ ہی جانتے ہیں یا کسی درجے میں فری میسن کے لوگ جو اس صہیونیت کا دوسرا نام ہے۔ درحقیقت جادوگروں کے ایمان لانے کے واقعے کے بعد بنی اسرائیل کے 'گمراہی' اور 'شیطنت' کی طرف لڑھک جانے کے جذبے پر فوری اثر ہوا اور نتیجہ خیز رہا۔ واللہ اعلم

2۔ تاریخ بنی اسرائیل کی تفصیلات ____ سالوں کا تعین حتمی نہیں

تاریخ انسانی جتنی آج انسان کے سامنے ہے اور گزشتہ ایک صدی کے واقعات پوری تفصیل سے ریکارڈ پر ہیں اتنی وضاحت کے ساتھ تاریخ آج سے پہلے نہیں تھی۔ حضرت محمد ﷺ کا دور تو جدید دور کا آغاز ہے مگر آپ ﷺ کے ابتدائی واقعات وحالات بھی تاریخ کے دھندلکوں میں گم ہیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ سن عیسوی سے ظاہر ہوتا ہے آج سن 2012 کا معروف مطلب ہے کہ حضرت عیسیٰ کو پیدا ہوئے 2012 واں سال جارہا ہے۔ یہ سن کا اجراء ____ معروضی اور فرضی طور پر ہی رکھا گیا ہے اور اس مفروضہ میں یہ بات شامل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم / سن وفات متنازعہ ہے اور عام عیسائی اور یہودی نظریات اتنے حتمی نہیں ہیں۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات (جیسا کہ اکثر عیسائی اور یہودی قائل ہیں) ہوتی تو یہ سن عیسوی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یومِ وفات یا زیادہ معقول طور پر آپ کی دعوت کے آغاز یعنی 30 سال کی عمر سے شروع ہونا چاہیے تھا (جیسے اسلامی سال واقعہ ہجرت سے شروع ہوتا ہے) پیدائش کے

سال سے سالوں کا شمار اس ایجاد کرنے والوں کے دل کے چور کو ظاہر کرتا ہے کہ وفات تو یقینی نہیں اور ہم کچھ کہہ نہیں سکتے۔ حضرت عیسیٰ کی رسالت کو ہم مانتے نہیں لہٰذا ــــــ اس 'اَمْـرٍ مَـرِیْج' اور مخمصہ سے بچاؤ کا شیطانی راستہ یہی ہے کہ 'مٹی پاؤ' اور سن عیسوی کا آغاز ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے شروع کرلو۔

اسی طرح تاریخ بنی اسرائیل میں بخت نصر کا حملہ، رومی فاتحین کی آمد، سد ذوالقرنین کی تعمیر، ذوالقرنین کی مسحور کن شخصیت کا تعین اور زمانے کا نشان زد کرنا ــــــ ظن وتخمین کے تحت ہی ہے۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل کسی واقعے کا سن وقوع صد فی صد تعین کے ساتھ متعین نہیں کیا جا سکتا۔ وجوہات جو بھی ہوں مگر نتیجہ یہی ہے۔ اسی لیے دنیا کو اپنے رخ پر چلانے اور حقائق کو چھپانے والے صہیونی دماغوں نے اہل علم اور طالبانِ علم کو چکر ہی دے دیا اور سنون کی اُلٹی گنتی شروع کرا دی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے واقعات کے ضمن میں سن وقوعہ اور اس کے ساتھ ق م لکھا جاتا ہے اس تصور کو سمجھنا خاصہ پیچیدہ ہے، پھر عام طالب علم ہر موقع پر غور وفکر سے ذہن کو مطمئن کر پاتا ہے کہ اس سن کا مطلب کیا ہے یعنی ق م کا مطلب اُلٹی گنتی ہے۔ 1000 ق م پہلے کا دور ہے اور 800 ق م بعد کا دور ہے جبکہ سن عیسوی میں 800ء پہلے اور 1000ء بعد کا دور ہے۔

اس مخمصے اور بھول بھلیوں کے نتیجے میں عام قاری مطالعے کے دوران پریشان ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اصولی طور پر یہ بات سامنے رکھی جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی تاریخ کے سنون اندازے ہیں اور کئی مؤرخین ان کے تعین اور نتیجہ نکالنے میں اختلاف کر جاتے ہیں جس سے قاری پریشان ہو جاتا ہے پریشانی کی بات نہیں سنون کی حتمیّت کو ذہن سے نکال دیں۔ ایک اندازہ جو ذہن میں قائم کرلیں ان شاء اللہ زیادہ دردسری سے بچ جائیں گے۔

3۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کی ملاقات اور تین واقعات

قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک خدا رسیدہ بزرگ سے ملاقات اور ان سے کچھ باتیں سیکھنے کے لیے ایک سفر کے دوران ان کی رفاقت میں گزارے گئے وقت کی قدرے تفصیل بیان ہوئی ہے۔ سورۃ الکہف رکوع نمبر 9 میں یہ بیان وارد ہے۔

وہ شخص کون تھا؟ اس کے تعین میں اختلاف ہے۔ حدیث مبارکہ میں اس شخص کا اسم گرامی حضرت خضر (علیہ السلام) آیا ہے۔ اس جگہ ان تین واقعات کا حاصل بیان کرنا مقصود ہے۔ بنی اسرائیل کی تاریخ میں اس واقعے کی زیادہ تفاصیل عام نہیں ہے قرآن پاک کی تفاسیر میں بالعموم ان واقعات سے عملی زندگی کے لیے جو رہنمائی اخذ کی جاسکتی ہے وہ کچھ یوں ہے:

☆ پہلا واقعہ کشتی میں سوار ہو کر ان بزرگ ہستی نے اس کشتی کا تختہ توڑ دیا، لوگ ڈوبتے ڈوبتے بچے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے وضاحت یہ کی گئی کہ جلدی ہی ایک بادشاہ دریائی راستے سے آرہا ہے اور وہ اپنی کسی مہم کے لیے کشتیاں ضبط کررہا ہے۔ یہ کشتی ایک غریب خاندان کی تھی میں نے چاہا کہ یہ کشتی بچ جائے اور وہ اس سے اپنی معاش حاصل کرتے رہیں؛ اس لیے اسے عیب دار کردیا کہ بادشاہ اس کو ناکارہ سمجھ کر چھوڑ جائے۔ گویا حضرت خضر (علیہ السلام) کے مطابق کسی بڑے نقصان سے بچنے کے لیے چھوٹا نقصان کردیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہوتا ہے۔

☆ دوسرے واقعے میں ان بزرگ ہستی نے کھیل کے میدان میں کھیلتے ہوئے بچوں میں سے ایک شریر بچے کو آگے بڑھ کر قتل کردیا۔ بظاہر بچے سے کوئی بڑا جرم سرزد نہیں ہوا مگر قتل جیسا واقعہ عجیب تھا کہ اتنی بڑی سزا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے وضاحت یہ سامنے آئی کہ یہ بچہ نیک والدین کا 'شریر بچہ' ہے۔ ڈر تھا کہ یہ بڑا ہو کر والدین کے لیے سبکی پریشانی اور بدنامی کا باعث بنے گا۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس بچے کو مار دیا جائے اور اس کی جگہ اللہ تعالیٰ اس کے والدین کو اور صالح بیٹا دے دے۔ عام مفہوم یہی ہے کہ ایسے واقعات کا مثبت پہلو ہی سامنے رکھنا چاہیے اور ایمان کے ایک منطقی تقاضے..... کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں خیر ہی خیر ہے مجھے سمجھ نہ بھی آئے تو یقیناً ایک باعمل مسلمان پر گزرنے والے ہر (بظاہر ناپسندیدہ) واقعے میں بھی خیر ہی پنہاں ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ آل عمران آیت 26 میں یہی مضمون آیا ہے اور یہ ایمان ثمرات میں سے ہے۔

☆ تیسرے واقعے ان بزرگ شخصیت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مل کر بستی میں ایک خستہ و بوسیدہ دیوار کو گرا کر دوبارہ صحیح کر کے تعمیر کردیا اور اس پر کوئی معاوضہ بھی طلب

نہیں کیا حالانکہ اس بستی کے لوگوں نے ان کی مہمان داری کی زحمت بھی گوارا نہیں کی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے وضاحت یہ سامنے آئی کہ یہ گھر دو یتیم بچوں کا ہے ان کا والد بڑا صالح تھا اور اس دیوار کے نیچے اپنی چھوٹی اولاد کے لیے خزانہ رکھ گیا تھا۔ اللہ نے چاہا کہ اس دیوار کی مرمت کر کے ایک مدت تک اس خزانے کو محفوظ رکھے تا کہ وہ بچے جوان ہو کر خود (کسی وصیت وغیرہ کی بنیاد پر) اس خزانہ کو نکالیں اور استعمال میں لے آئیں۔ یہ دیوار ابھی گر جاتی تو بچے چھوٹے تھے یہ خزانہ دوسرے لوگ لے جاتے۔

گویا کسی صالح اور اللہ کے قرب کے حصول کے متلاشی انسان کے مرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ اس کے مفادات کی حفاظت کرتا ہے اور اس کی اولاد کے لیے ضروریات کا تحفظ یقینی بناتا ہے جس اولاد کے لیے ہم زیادہ فکر مند ہو کر اسی اولاد کے لیے حلال و حرام اور جائز و ناجائز سے پیسہ جمع کرنے میں دن رات مصروف ہیں اور حقوق اللہ کو بھلائے بیٹھے ہیں اور دین کے تقاضوں کا احساس تک نہیں ہے۔

قرآن پاک میں اتنی ہی تفصیل ہے (شاید ہمارے بیان میں کوئی نکتہ رہ گیا ہو، اللہ معاف فرمائے، آمین) بنی اسرائیل کی روایات میں کیا تفاصیل ہے اور انہوں نے اس سے کیا کیا نتائج اخذ کر رکھے ہیں اور علماء بنی اسرائیل نے وقت کے ساتھ ساتھ اس میں کیا کچھ شامل کر دیا ہے وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے مگر تاریخ بنی اسرائیل اور بالخصوص صہیونیت کے مزاج، اس کے ابلیسی ایجنڈے اور انسان دشمن رویوں کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان تین پیش آمدہ واقعات سے انہوں نے اپنے تین رہنما اصول پلّے باندھ لیے اور اس سے کئی اہم کام نکال لیے۔

1۔ کشتی کے تختے توڑ کر کشتی بچالینا ـــــ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اصولی طور پر ـــــ دو برائیاں سامنے ہوں تو کم تر برائی کو اختیار کر لینا عین راہِ حق ہے۔ LESSER EVIL کا تصوّر یہیں سے اخذ کیا گیا ہے۔

2۔ اگر کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو ناپسند ہو اور اس کے خیال میں اس سے نقصان اور فساد کا اندیشہ ہو تو ـــــ اس کو قتل کر دو اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھو کہ وہ تمہاری مرضی اور پسند کا

دوسرا انسان پیدا کر دے گا۔ اس تصور اور عقیدے کے راسخ ہونے سے کیا کیا لازم آتا ہے اور انسان کس کس چیز کو اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے وہ بہت اہم ہے ـــــ مگر بنی اسرائیل نے اس سے ایک اہم نتیجہ نکالا اور اس پر صدیوں عمل کرتے رہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَ قَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِہٖ بِالرُّسُلِ وَ اٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَ اَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اَفَکُلَّمَا جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَاتَھْوٰٓی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ وَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ (02-87)

''اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عنایت کی اور ان کے پیچھے یکے بعد دیگرے پیغمبر بھیجتے رہے اور عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کو کھلے نشانات بخشے اور روح القدس (یعنی جبرئیل) سے ان کو مدد دی۔ تو جب کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسی باتیں لے کر آئے جن کو تمہارا جی نہیں چاہتا تھا تو تم سرکش ہو جاتے رہے اور (انبیاء کے) ایک گروہ کو تم جھٹلاتے رہے اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔''

گویا ـــــ اگر نبی علیہ السلام بھی تمہاری خواہش کے مطابق تعلیم نہ دے رہا ہو اور تمہارے شیطانی منصوبے میں رکاوٹ پڑتی ہو تو اس خود ساختہ اصول کے تحت اس کو قتل کر دو اور اللہ تعالیٰ سے بھلائی کی امید رکھو کہ کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی نہ آسمان گرے گا۔ یوں ـــــ ذرا سی غلطی کی وجہ سے قتل انبیاء علیہم السلام جیسے جرم میں ملوث ہوئے اور بڑھتے چلے گئے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے جس میں بنی اسرائیل کی ذہنی کیفیت اور سوچ کو ظاہر کیا گیا ہے۔

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ فَعَمُوْا وَ صَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَ صَمُّوْا کَثِیْرٌ مِّنْھُمْ وَ اللّٰہُ بَصِیْرٌ بِمَا یَعْمَلُوْنَ (05-71)

اور یہ خیال کرتے تھے کہ (اس سے ان پر) کوئی آفت نہیں آنے کی، تو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر مہربانی فرمائی (لیکن) پھر ان میں سے بہت سے اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ ان کے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔''

3۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آنے والے تیسرے واقعہ کی تعبیر سے انہوں نے واقعی بہت فائدہ اٹھایا۔ آسمانی ہدایت تورات، زبور کے محافظ ہونے کی حیثیت سے دشمنوں سے خائف

ہوکر ذوالقرنین کو کہہ کر ایک دیوار تعمیر کرادی جو کئی صدیاں ان کے آڑ بنی رہی تا آنکہ صہیونیت یعنی بنی اسرائیل کے اپنے دیگر منصوبوں کی وجہ سے اس کی اہمیت نہ رہی۔

اس لحاظ سے قرائن سے اندازہ لگائیں کہ بات کتنی اہم ہے یہ سدّ ذوالقرنین بحیرہ اسود، بحیرہ کیسپین کے درمیان پہاڑی سلسلہ کوہ قاف کے علاقے CAUCASIAN RANGE میں واقع تھی اور اس کے جنوب میں ایرانی علاقے کی طرف جو قوم آباد تھی وہ امکانی حد تک بنی اسرائیل کا ہی کوئی مؤثر گروہ ہی تھا۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ بحیرۂ کیسپین کا پرانا نام بحیرۂ خزر ہے جس کے الفاظ میں جان بوجھ کر ردّ و بدل کی گئی ہے یہی بحیرۂ خضر کہلاتا تھا۔ انگریزی ہجے دونوں کے یکساں ہیں اردو یا دیگر زبانوں میں اس کو 'خزر' کر کے 'خضر' کی طرف موعود ذہنی سے روک دیا گیا۔ حالانکہ یہ بحیرہ خضر ہی ہے اور اسی کے کنارے دور تک جو قوم آباد تھی وہ بنی اسرائیل کے ساتھ اور لوگ بھی تھے اور وہ اسی مناسبت سے خضاریہ کہلاتے ہیں۔ یہ ساری نسبت حضرت خضر علیہ السلام کی ہی وجہ ہے۔ ایک حدیث پاک میں یہ مضمون یوں وارد ہوا ہے:

ان الخضر فی البحر و الیسع فی البر یجتمعان کل لیلة عند الردم الذی بناه ذوالقرنین بین الناس و بین یاجوج و ماجوج و یحجان و یعتمران کل عام و یشربان من زمزمکم شربة تکفیهما الی قابل
(الاصابہ عن انسؓ)

''حضرت خضر بحری علاقہ میں مامور ہیں اور حضرت یسع برّی علاقہ میں۔ دونوں حضرات ہر رات اس دیوار کے پاس جمع ہوتے ہیں جسے ذوالقرنین نے لوگوں اور یاجوج ماجوج کے درمیان تعمیر کیا تھا۔ اور دونوں حضرات ہر سال حج اور عمرہ کرتے ہیں اور زمزم کا پانی پیتے ہیں جو ان کے لیے اگلے سال تک کفایت کرتا ہے۔''

یہ سارے قرائن بتاتے ہیں کہ یہودیوں کے ہاں حضرت خضر کا تصور واضح ہے اور انہیں اس جگہ کا خاص تعین کے ساتھ پتہ تھا اور اس جگہ کا نام بحر خضر یا خضاریہ بھی سوچی سمجھی بات ہے اور سد ذوالقرنین کی تعمیر کا IDEA بھی اسرائیلی چالاک ذہن کی پیداوار ہے۔ واللہ اعلم

04۔ خضار، بنی اسرائیل اور 13 واں قبیلہ

سدذوالقرنین کی تعمیر سے اس درّہ کے قدرتی قدیمی راستے سے سائبیریا سے اٹھ کر اور منگولیا سے نکل کر آنے والے غیر مہذب اور وحشی انسانوں (GOYEMS & GENTILES) کے ریلے اب مہذب دنیا پر حملہ آور نہیں ہو سکتے ہیں۔ جبکہ بدویت سے حضارت کا سفر کرنے والے یہ خانہ بدوش قبائل اس رکاوٹ سے بے خبر اپنی فطری اور جغرافیائی مجبوریوں کے تحت نقل مکانی کرتے آگے بڑھ کر یہاں آباد ہوتے رہے۔ پانی کی بہتی کسی چھوٹی ندی کے آگے رکاوٹ کھڑی کر دی جائے تو پانی آگے جانا تو رک جاتا ہے اور جمع ہونے لگتا ہے سطح بلند ہونا شروع ہو جاتی ہے اور ایک مدت بعد دائیں بائیں کسی مناسب جگہ سے بہاؤ کا نیا راستہ نکال لیتا ہے۔ یہ راستے ایک یا ایک سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔

یہی حال سدذوالقرنین کے شمال میں آکر حضارت اختیار کرنے والے قبائل کا تھا انسانی آبادی میں اضافہ ہوا تعداد بڑھی ایک ہی جگہ عرصہ گزارنے اور متمدن علاقے کے قریب ہونے سے حضارت اور تہذیب وتمدن کی ہوا لگی۔ عالمی تجارت کی وجہ سے یہ علاقہ پرانے راستوں اور شاہراہوں پر واقع تھا۔ پرانی شاہراہ ریشم کا حصہ یہیں سے ہو کر مغربی علاقوں میں جاتا تھا۔

سدذوالقرنین کے نیچے محفوظ ہونے والی آبادی میں بنی اسرائیل کے ساہوکار اور عالمی تاجر تھے جو بالواسطہ دنیا سے رابطہ رکھ رہے تھے۔ بحرخضر کے پاس آباد ہونے والے سدذوالقرنین کی شمالی طرف کے یہ لوگ خضار کہلاتے ہیں۔

انہیں خضار میں سے لوگ یورپ میں جانے لگے اور مشرقی یورپ یونان، اٹلی، جرمنی، سویڈن (SCANDANAVIA)، برطانیہ حتیٰ کہ فرانس، اندلس اور پرتگال تک جا پہنچے۔ ان علاقوں کے تمام قدیم خاندان اسی خضار کے علاقے کے نکلے ہوئے لوگوں کی اولاد ہیں۔ یہ لوگ قدرے مہذب، بین الاقوامی رابطے رکھنے والے بنی اسرائیل سے میل جول رکھنے کی مناسبت سے علم اور فن میں بھی دوسری اقوام میں آگے تھے۔

ہمارے نزدیک سدذوالقرنین آخری پیغمبر ﷺ سے بہت قبل متمدن علاقے کو باہر سے آنے والے کے لیے سیل (SEAL) کر کے انہیں لوگوں کو تقریباً ایک ہزار سال تک باہمی

تعامل اور INTERACTION کے ذریعے تہذیب وتمدن اور حضارت سے مزید روشناس کرایا گیا تا کہ آخری اور بڑے نبی علیہ السلام کی تعلیمات کو سمجھ سکیں اور اعلیٰ انسانی اقدار، آخری وحی اور تمدن کی اعلیٰ اجتماعی شکل حکمرانی کے لیے عوامی حکومت وخلافت کے تصورات کو سمجھ سکیں اور سب سے بڑھ کر اخوت، مساوات، احترام، جان ومال اور عدل اجتماعی کے تصور کو اختیار کر سکیں۔

لہٰذا سد ذوالقرنین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور ہجرت کے بعد فتح مکہ تک اس راستے سے کسی ممکنہ حملہ آور کا راستہ روکے رہی۔ یہاں تک کہ آپ کے وصال کے قریب کے سالوں میں ایک طرف 628ء_640ء کے درمیان یہودیوں کا 'خضار' اقوام سے کوئی معاہدہ ہوا جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سد ذوالقرنین میں سوراخ ہو جانے سے تعبیر فرمایا۔ اور دوسری طرف ختم نبوت کے اعلان کے ساتھ اب بنی اسرائیل کے قتل انبیاء علیہم السلام کے مشن کا ہدف نہ رہا۔ لہٰذا یہی وقت ہے کہ 'خضار' کے سب سے زیادہ اور مقتدر طبقے (اشرافیہ) نے یہودیت کو قبول کر لیا ان کے کچھ لوگ نصرانیت کی طرف بھی گئے کچھ مسلمان بھی ہوئے اور مقتدر طبقہ نے بنی اسرائیل کا مذہب اختیار کر کے ان کا اتحادی بننے کا فیصلہ کیا۔

اس اشرافیہ نے یہودیت قبول کی اور اب حضرت یعقوب علیہ السلام یعنی اسرائیل کی اولاد کے بارہ قبیلوں کے ساتھ 13واں قبیلہ (13TH TRIBE) کہلاتا ہے۔ یہ واقعہ مشہور تو چودھویں صدی عیسوی کا ہے (1300ء کے بعد) مگر درحقیقت اس کی شروعات خلافت راشدہ کے دور کی ہی ہیں۔ واللہ اعلم

اس 'خضار' کے مقتدر خاندانوں کی اولادیں ہی ہیں جو آج بھی یورپ کیا دنیا بھر کی تجارت پر قابض ہیں انہیں میں سے ایک خاندان ROTHS تھا اس کی اولاد اب بھی ROTHS CHILDS کہلاتی ہے لفظ کا لہجہ بدل کر راتھ شیلڈ کر دیا تا کہ پہلے گمان میں ایک خاندان کا تصور کا ابھر سکے۔ اسی ROTHS لفظ کی شکل بگڑی یا بگاڑی گئی تا کہ یہ لفظ ذہنوں سے نکل جائے تو RUS بن گیا اور یہ قوم جس وسیع علاقے پر حکمرانی کرتی رہی وہ دوسرے وسطی ایشیا کے علاقوں کی طرف ASIA کے لفظ مل کر RUS-ASIA یا RUSSIA کا لفظ بن گیا۔

05۔ خلافت راشدہ کے بعد چھ صدیاں متمدن دنیا اسلام کا گہوارہ رہی

متمدن دنیا اور غیر متمدن کی تقسیم ایسی ہے کہ ایک منظّم اور منضبط زندگی اور شب و روز کے نظام میں جکڑے ہوئے بندے ہونے کا تصور یہیں ملتا ہے جبکہ دو صدی قبل کے وہ علاقے جہاں رات کا یہ تصور نہیں وہ کسی منظّم زندگی اور اوقات کار تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

اسی متمدن علاقے میں انسانوں کے باہمی اتصال سے اعلیٰ افکار و نظریات وجود میں آئے اور انسان انسان کہلانے کا مستحق قرار پایا، انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے ہدایت عام ہوئی حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری ہوئی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے ذریعے خلافت کا نظام قائم ہوا اسلام کے نفاذ کی برکات سے ساری متمدن دنیا جگمگا اٹھی اور چھ صدیوں تک سارا متمدن وسیع علاقہ امن و آتشی، احترام باہمی، عدل و انصاف، اخوت و مساوات اور عدل اجتماعی کے ساتھ کفالت عامّہ کے تصورات کا گڑھ رہا اور دنیا انداز حکمرانی کے عادلانہ اصولوں سے روشناس ہوئی۔

اس متمدن دنیا میں اسلام کے سپاہیوں نے علاقے فتح کئے مگر یہ فتوحات ماضی کے فاتحین کی یلغاروں سے یکسر مختلف تھیں۔ بقول علامہ اقبال ان فتوحات کا مقصد جلیلہ

؎ شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی
دو عالم سے بیگانہ کرتی ہے دل کو
عجب شے ہے لذتِ آشنائی

جبکہ غیر متمدن دنیا روایتی جابر، ظالم، خودغرض، حریص، عیاش، بے انصاف حکمران کا نقشہ پیش کر رہی تھی۔ واقعی تاریخ انسانی میں صرف مسلمانوں نے ہی اللہ تعالیٰ کے دین کے فروغ کے لئے تلوار اٹھائی تھی جس کی نظیر دنیا میں اس سے پہلے کہیں نہیں تھی۔

؎ پر ترے نام پہ تلوار اُٹھائی کس نے؟
بات جو بگڑی ہوئی تھی، بنائی کس نے؟

06۔ حزب اللہ اور حزب الشیطان کے نمائندے

وہ انسان جو اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اس کے حکموں پر چلتے ہیں وہی مخلص اور حقیقی انسان ہوتے ہیں ایسے ہی لوگ عملی زندگی میں جب اسلام کے لئے کھڑے ہو جائیں اور تعداد بھی مناسب ہو تو حزب اللہ کہلاتے ہیں۔ تاریخ انسانی میں حزب اللہ ـــــ کا نشان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے اور اپنے اپنے زمانے میں دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح اب قیامت تک حزب اللہ کے رہنما کے طور پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کی شخصیت ـــــ انسانیت کی معراج ہے اور یوں کہا جا سکتا ہے کہ آپ کامل ترین اور اکمل ترین انسان تھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا کرنے والے تھے۔ یہ سعادت اللہ تعالیٰ نے متمدن دنیا کے علاقے کو عطا فرمائی کہ وہاں پیغمبر علیہم السلام مبعوث ہوئے اور بالآخر خاتم الانبیاء علیہ السلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے۔

اس کے برعکس ـــــ جو لوگ اللہ تعالیٰ یعنی خالق کائنات کا کہنا نہیں مانتے من مانی کرتے ہیں اپنی مرضی سے زندگی گزارتے ہیں ظلم، ناانصافی، قتل و غارت، نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے لوٹ گھسوٹ، بے حیائی اور عیاشی کرتے ہیں حتیٰ کہ خدائی کے دعویٰ بھی کرتے ہیں وہ شریر انسان کہلاتے ہیں اور ایسے لوگ جمع ہو جائیں اور فوج بن جائے تو حزب الشیطان کہلاتے ہیں۔

تاریخ میں کئی فاتحین اور جنگجو ایسے گزرے ہیں جنہوں نے وسیع علاقوں کو تاخت و تاراج کر دیا۔ مگر کسی مثبت قدر کے فروغ یا انسانیت کی خدمت و بھلائی کے لئے نہیں بلکہ حرص، لالچ، حبِّ جاہ اور ذاتی اقتدار کی خاطر اپنے جیسے لاکھوں کروڑں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

ان فاتحین میں کئی مشہور نام ہیں جو عالمی سطح پر جانے پہچانے جاتے ہیں جدید دور کے سارے مؤرخین جنہوں نے تاریخ عالم پر اپنی رائے زنی کی ہے وہ یورپ اور امریکہ سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ اس بات پر متفق ہیں کہ سارے عظیم فاتحین بنیادی طور پر سائبیریا سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی وجہ سے سائبیریا فاتحین عالم کا گہوارہ کہلاتا ہے خاص اسی موضوع پر انگریزی میں ایک کتاب "SIBERIA -THE CRADLE OF CONQUERORS" موجود ہے پھر ان فاتحین میں منگولیا سے اٹھنے والی شخصیت چنگیز خان کا شمار سب سے اوپر اوّل درجے میں بطور قائد ہے۔ یہ سائبیرین فاتحین، بربریت، ظلم، بے انصافی، قتل و غارت، لوٹ گھسوٹ، عیاشی اور

بے حیائی کے فروغ کے نمائندے تھے اور انسانوں کو تاراج کرنے کا کام کرتے رہے جبکہ انسانیت کی کوئی مثبت خدمت نہ کر سکے۔

کہا جا سکتا ہے کہ متمدن دنیا کے حصے میں ہدایت اور حزب اللہ کے لوگ اور انسان دوست، اخلاق دوست، بنیادی انسانی اقتدار کے فروغ کے نمائندے آئے جبکہ غیر متمدن دنیا (سائبیر یا قسم کے علاقوں) کے حصے ہیں انسان دشمن، اخلاق دشمن، وحی دشمن، خدا بیزار، بے حیا اور حیوانیت کی اقدار کے فروغ کے نمائندے آئے۔

یہی سائبیرین تہذیب حیوانی تہذیب ہے اور BEASTS کو فروغ دے رہی ہے آسمانی ہدایت لوگوں کو انسان بنانا چاہتی ہے تو شیطانی تہذیب انسانوں کو BEASTS کے درجے میں گرانا چاہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بائبل میں یاجوج ماجوج کے حوالے سے BEASTS کا تصور موجود ہے جو مغربی تہذیب کے نمائندوں پر راست آتا ہے۔

07۔ دور حاضر کی ترقی یافتہ اقوام کے جھنڈے، قومی نشانات اور BEASTS کا تصور

آج کی مقتدر مغربی اقوام کا یاجوج ماجوج ہونے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ آج کے ترقی یافتہ ممالک میں جہاں ہر ملک کا ایک آئین، ایک جھنڈا، ایک قومی نشان اور پھر ہر ملک کے مختلف محکموں میں نشانات علامات ہوتی ہیں۔ ان اقوام کی سوچ ایک ہے۔

یہ بات آپ کے لئے حیران کن حد تک ناقابل یقین ہوگی کہ ساری ترقی یافتہ مغربی اقوام کے قومی نشان اور سرکاری اہم نشانات میں ایک BEASTS کا تصور موجود ہے جس کے ایک پاؤں میں اناج (یا رزق) اور دوسرے پاؤں میں اسلحہ پکڑا ہوا ہے۔ جس سے وہ تصور ابھرتا ہے جو احادیث میں دجال سے متعلق آیا ہے اور یاجوج ماجوج اور دجال کے باہمی روابط کوئی راز نہیں ہیں۔ 'دجال' کا کردار بذات خود ایک BEASTS یعنی غیر مہذب، غیر ہدایت یافتہ، بے اصول، خود غرض، عیاش اور خدائی کے دعویدار شخص کا کردار ہے۔

آیئے ذیل میں چند مشہور مغربی ترقی یافتہ ممالک کے جھنڈے اور نشانات ملاحظہ فرمائیں:۔

بنک آف انگلینڈ

امریکن سنٹرل کمانڈ

امریکن نیوی

امریکی صدر کا نشان

فن لینڈ کا نشان

یورپین کمانڈ

نادرن کمانڈ یوایس اے

ایشین ویلش کا جھنڈا

امریکی افواج

یونانی ارتھوڈاکس

امریکی محکمہ دفاع

امریکی آرمی جنرل سٹاف

فوری تقابل کے لئے چند دیگر مسلمان ملک اور اداروں کے نشان بھی ملاحظہ فرمائیں

(سعودی عرب، سوڈان، OIC وغیرہ)

ایران کا پرچم

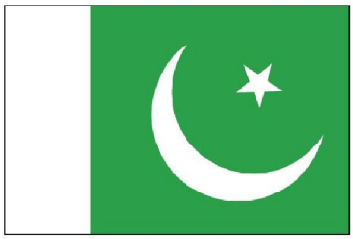

پاکستان کا پرچم

سعودی عرب

سوڈان کا پرچم

اسلامی ممالک کی تنظیم

پاکستان کا قومی نشان

09۔ تیسری جنگ عظیم کے دو فریق WW III

پہلی جنگ عظیم WW I 1914ء تا 1918ء عجیب طریقے سے لڑی گئی دونوں فریق ایک سوچ اور ایک ہی گروہ میں سے تھے دونوں کے پیچھے صہیونیت تھی اور دونوں فریقوں میں سے ایک فریق کے حمایتی مسلمان تھے اور وہ اس فریق کا ساتھ دے رہے تھے صہیونیت کے لئے برابر تھا کہ کون جیتتا ہے یا کون ہارتا ہے دونوں صورتوں میں مقاصد صہیونیت کے ہی پورے ہوتے تھے۔ مگر اضافی طور پر سلطنت عثمانی جرمنی کا ساتھ دے رہی تھی جرمنی کے شکست کھانے پر بھی جنگی تاوان اور دیگر فیصلے لاگو ہوئے اور جرمنی سے زیادہ سلطنت عثمانیہ کا نقصان ہوا کہ وہ مسلمان طاقت تھی اور اس کے حصے بخرے کر کے اسرائیل کے لئے راہ ہموار کر دی گئی۔

دوسری جنگ عظیم WW II 1939ء تا 1945ء بھی اسی اصول پر لڑی گئی اسی طرح اب متوقع WW III جس کے واقع ہونے میں تو کسی کو شک نہیں ہے کہ حقیقتاً دنیا میں دو متحارب گروہ آمنے سامنے ہیں مگر حالات کو ایک صلیبی جنگ کے نام سے بچانے کے لئے دو گروہ بنیں گے۔ دونوں یاجوج ماجوج میں سے ہوں گے اور اور در پردہ اسرائیل کے ہی حمایتی اور خیر خواہ ہوں گے۔ بس ایک گروہ کے ماضی یا عالمی حیثیت کی وجہ سے مسلمان اس کا ساتھ دے رہے ہوں گے لہٰذا بظاہر یہ جنگ دو فریقوں میں ہوگی مگر جس طرف مسلمان ہوں گے اس کو پہلے مرحلے شاید فاتح ظاہر کر کے مزید للکارا جائے گا اور بالآخر فیصلہ جنگ میں مسلمانوں کو ختم کرنے کی منصوبہ بندی ہوگی۔

یہاں تک انسانی منصوبہ بندی ہے، آگے جو ہوگا وہ حضرت محمد ﷺ کی احادیث و فرمودات میں ہے اور آپ کے لائے ہوئے عالمی غلبے کی پیش گوئیوں سے ظاہر ہے لہٰذا ایک خدائی فیصلے (DIVINE INTERVENTION) کے ذریعے یاجوج ماجوج کا خاتمہ اور مسلمانوں کو کئی نقصانات اور خونریز معرکوں کے بعد کامیابی نصیب ہوگی جس کے بعد عدلِ اجتماعی کا نظام یعنی عالمی اسلامی جمہوری فلاحی ریاست وجود میں آجائے گی۔ اس ریاست کے قیام کے لیے یاجوج ماجوج کا خاتمہ ضروری ہے جو اس باہمی جنگ میں ختم ہو جائیں گے۔

حقیقت یہی ہے کہ جب تک صہیونیت کا ایک بھی فرد (بنی اسرائیل کا فرد) یا اس کا پرستار (یاجوج ماجوج) جو اپنے نظریات پر قائم ہے، موجود ہے دنیا میں کسی حقیقی فلاحی ریاست کا

قیام تو دور کی بات ہے اس کے لیے جدوجہد کرنا بھی مشکل کام ہے۔ یہ صلیبی جنگ کئی گزشتہ صدیوں جاری ہے اور حتمی نتیجہ تک جاری رہے گی۔ آج کل توہین رسالت ﷺ کا جرم عام ہو رہا ہے اور شاید اس آخری معرکے تک یہ جرم ہوتا رہے گا۔ اس لیے کہ جب تک دنیا میں ایک بھی یہودی زندہ ہے وہ توہین رسالت کرنے یا دوسروں کو لالچ دے کر یہ قبیح کام کرانے سے باز نہیں آ سکتا لہٰذا یہود کے مکمل خاتمے تک توہین رسالت کا جرم ختم نہیں ہوسکتا امریکہ اور دیگر ممالک یا ان کے نمائندے تو اس صہیونیت کے غلام ابن غلام ابن غلام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

خودی کی حقیقت

(حصہ دوم)(پہلا حصہ ماہِ اگست 12ء میں شائع ہوا)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین
کی کتاب ''حکمت اقبال'' سے ایک باب

خودی حقیقتِ کائنات ہے

یہ کہنا کہ انسانی خودی نے انسانی جسم اور انسانی جسم کی خواہشات کو خود پیدا کیا ہے اور وہ جسم سے پیدا نہیں ہوئی اس لئے درست ہے کہ کائنات کی آخری حقیقت بھی ایک خودی ہے جس کو اقبال فلسفہ کی زبان میں کائناتی خودی کہتا ہے اور جس کو مذہب کی زبان میں خدا کہا جاتا ہے۔ کائناتی خودی کے مقصد نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے اور اس کا یہی مقصد شعور کی صورت میں اس کائنات کے اندر نمودار ہوا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کائناتی خودی کا یہی مقصد ہے جو انسان کے جسم کو پیدا کر کے اس کے اندر انسانی خودی یا اَنا کی صورت میں آشکار ہوا ہے۔ ان معنوں میں یہ کہنا بجا ہے کہ انسان کی خودی نے ہی انسان کے جسم کو پیدا کیا ہے۔

بادہ از ما مست شد نے ما ازو
قالب از ما ہست شد نے ما ازو

اگر پوچھا جائے کہ ایک کرسی کی حقیقت کیا ہے تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ لکڑی، لیکن لکڑی کی حقیقت کیا ہے؟ سائنس کا طالب علم بجا طور پر اس کا جواب دے گا'' کاربن''، لیکن کاربن کی حقیقت بھی کچھ اور ہے اور وہ ایک خاص قسم کے غیر مرئی مادّی ذرّات ہیں جن کو جواہر (ATOMS) کہا جاتا ہے۔ پھر ان سالمات کی حقیقت برقی توانائی ہے لیکن کیا برقی توانائی

کائنات کی آخری حقیقت ہے؟ کیا اس کے پیچھے کوئی اور حقیقت ایسی نہیں جس کی پھر کوئی اور حقیقت نہ ہو۔ اقبال اپنی انگریزی کتاب "RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHTS IN ISLAM" میں ایک طویل بحث کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہے:

THE ULTIMATE NATURE OF REALITY IS SPIRITUAL
AND MUST BE CONSIDERED AS IN EGO.

(ترجمہ) ''کائنات کی آخری حقیقت کی فطرت روحانی ہے اور ضروری ہے کہ اسے ایک خودی یا ایغو تصور کیا جائے''

اس کا مطلب یہ ہے کہ قدرت کے تمام مظاہر کا اور پوری کائنات کے وجود کا باعث خودی ہے۔

؎ یہ عالم، یہ بت خانۂ شش جہات!
اِسی نے تراشا ہے یہ سومنات!
چمک اس کی بجلی میں، تارے میں ہے
یہ چاندی میں، سونے میں، پارے میں ہے
اسی کے بیاباں، اسی کے ببول
اسی کے ہیں کانٹے، اسی کے ہیں پھول

پیکرِ ہستی ز آثارِ خودی است ہرچہ می بینی ز اسرارِ خودی است
خویشتن را چوں خودی بیدار کرد آشکارا عالمِ پندار کرد

یونانی حکما کے قیاسات

جب سے حضرت انسان نے کائنات پر غور وفکر کا آغاز کیا ہے اس حقیقت کا ایک غیر متزلزل اور سکون پرور وجدانی احساس اس کا شریک کار رہا ہے کہ گو یہ کائنات ایک بے حد وحساب کثرت کی صورت میں ہے تاہم یہ کثرت کسی ایک ہی چیز کے ایسے مختلف مظاہر پر مشتمل ہے جو بالآخر پھر اسی کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور اس میں مل جاتے ہیں لیکن وہ ایک ہی چیز فی الواقع کون سی ہے؟ یہ مسئلہ ہمیشہ اس کی ذہنی کاوشوں کا موضوع بنا رہا ہے۔ سب سے پہلے چھٹی صدی قبل مسیح میں یونانی فلسفیوں نے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوششیں کیں۔ یونانی فلسفی تھیلز

(THALES) کا خیال تھا کہ دنیا پانی سے بنی ہے اور تمام اشیاء پانی ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ انیکسی مینز(ANAXEMENES) نے پانی کی بجائے ہوا کو تمام اشیاء کا ہیولیٰ قرار دیا۔ انیکسی مینڈر(ANAXEMANDER) کا یہ خیال تھا کہ پانی، ہوا، آگ، مٹی ایسے عناصر دراصل کسی اور ہی چیز سے الگ ہوکر صورت پذیر ہوئے ہیں جو غیر محدود اور غیر متشکل ہے۔ دیما کریطس (DEMORCITUS) نے جسے موجودہ علم طبیعیات کا بانی کہا جاتا ہے یہ نظریہ قائم کیا کہ دنیا کی آخری حقیقت جواہر (ATOMS) ہیں جو حجم اور صورت میں مختلف ہوتے ہیں، تمام مرکب اجسام ان ہی سے بنے ہیں اور مرکب اجسام کے اندر جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کا باعث کچھ تو یہ ہے کہ جن جواہر سے وہ بنتے ہیں وہ حجم اور صورت میں مختلف ہوتے ہیں اور کچھ یہ کہ ان کے جواہر کی ترتیب الگ الگ ہوتی ہے۔

حقیقتِ کائنات کے متعلق قدیم حکمائے یونان کے ان نظریات میں یہ بات قدرِ مشترک ہے کہ اس حقیقت کی نوعیت مادی ہے اس لحاظ سے یہ نظریات دورِ حاضر کے حکمائے مادیین کے نظریات سے مختلف نہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ مادہ کے اوصاف وخواص کے متعلق آج کے حکمائے مادیین کے تصورات زیادہ واضح ہیں تاہم ہمارے ان جدید حکماء کے نظریات اس بات کی تسلی بخش وضاحت کرنے سے قاصر رہے ہیں کہ مادہ کے اندر زندگی اور شعور کے اوصاف کیونکر نمودار ہوگئے ہیں۔

شعور اور مادہ کا فرق

بظاہر شعور اور مادہ ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہیں، مادہ بے حس اور بے جان ہے آپ ایک کرسی کو آگے یا پیچھے یا دائیں یا بائیں دھکیل سکتے ہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاسکتے ہیں اگر چاہیں تو اس کے اجزاء کو الگ الگ کرسکتے ہیں اور پھر جوڑ سکتے ہیں کرسی آپ سے کوئی مزاحمت نہیں کرے گی، اس کا اپنا کوئی مقصد یا مدعا نہیں۔ تمام بے جان مادی اشیاء کی حالت ایسی ہی ہے لیکن شعور کی کیفیت مادہ سے بالکل جدا ہے عام معنوں کے لحاظ سے جب مادہ کے اندر شعور موجود ہو تو وہ ایک اندرونی مقصد یا مدعا کے مطابق حرکت کا اظہار کرسکتا ہے اگر آپ ایک حیوان کی حرکات کو اپنی خواہش کے مطابق ضبط میں لانا چاہیں تو آپ کو ایک نہایت ہی پیچیدہ عمل کرنا

پڑے گا جو اس بات کے گہرے مطالعہ پر موقوف ہوگا کہ ایک حیوان کا کردار خارجی اثرات سے کیونکر متاثر ہوتا ہے اور پھر بھی اس میں آپ کو پوری کامیابی حاصل نہ ہو سکے گی اور وہ اس لئے کہ ہر حیوان کی حرکات اس کے اپنے اندرونی مقصد یا مدعا کے مطابق سرزد ہوتی ہیں۔ اس بنا پر مدعا کے مطابق عمل کرنا شعور کا ایک خاصہ قرار دیا گیا ہے جو مادہ میں قطعاً موجود نہیں۔

مادہ اور شعور کی اصل ایک ہے

لیکن مادّہ اور شعور کے اس نہایت ہی وسیع ظاہری اختلاف کے باوجود فلسفیوں اور سائنس دانوں نے اپنے اس لاشعوری وجدانی اعتقاد کی وجہ سے۔ جس کا ذکر اُوپر کیا گیا ہے کہ کائنات کی آخری حقیقت ایک ہی ہونی چاہیے۔ ہمیشہ اس بات کی کوشش کی ہے کہ مادہ اور شعور دونوں کو ایک ہی چیز ثابت کیا جائے اس لئے یا تو وہ یہ ثابت کرنے کی کوششیں کرتے رہے ہیں کہ شعور دراصل مادہ ہی کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے اور یا یہ کہ مادہ درحقیقت شعور ہی کی صفات کا ایک مظہر ہے۔ سائنس دانوں کا وہ طبقہ جو انیسویں صدی سے تعلق رکھتا ہے، بالعموم اوّل الذکر نظریہ پیش کرتا رہا ہے اور اس کے برعکس فلسفیوں میں سے اکثر مؤخر الذکر نظریہ کے حامی رہے ہیں۔ انیسویں صدی کے سائنس دان یہ سمجھتے تھے کہ مادہ ایک غیر فانی حقیقت ہے اس لئے کسی چیز کی کوئی اصلیت نہیں ہو سکتی جب تک اس کے اوصاف وخواص مادہ کی طرح نہ ہوں یعنی جب تک کہ اسے مادہ کی طرح دیکھا اور چھوا نہ جا سکے یا وہ اس قابل نہ ہو کہ معمل میں اس پر مادہ کی طرح تجربات کیے جا سکیں۔ چنانچہ یہ قدرتی بات تھی کہ وہ شعور کو ذی حیات مادہ کی ایک خاصیت قرار دیں یہ لوگ اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے کہ شعور کی مانند کوئی چیز تخلیق کائنات کا سبب ہو سکتی ہے یا مظاہر قدرت کے ساتھ اس کا کوئی سروکار یا علاقہ ہو سکتا ہے ان کا خیال تھا کہ شعور مادہ کی ہی ایک خاص حالت کا وصف ہے جو اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب مادہ ایک خاص کیمیائی ترکیب پالیتا ہے یا طبیعیات کے خاص قوانین کے تحت میں آجاتا ہے۔

قدیم سائنس دانوں میں سے بائل BOYLE (1691ء- 1627ء) نے کہا تھا کہ وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ ''جب متحرک مادہ کو اپنی جگہ پر چھوڑ دیا جائے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ اس سے انسانوں اور حیوانوں کے مکمل اجسام ایسی حیرت انگیز موجودات یا اس سے بھی زیادہ

محیرالعقول وہ اجزائے مادہ جو زندہ حیوانات کے بیج کی حیثیت رکھتے ہیں خودبخود وجود میں آجائیں'' چنانچہ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے وہ قدرت کے اندر ایک تعمیر کنندہ روح یا قوتِ شعور کا ہونا ضروری قرار دیتا تھا۔ لیکن انیسویں صدی میں صرف لارڈ کیلون KALVIN (1907ء- 1824ء) ہی ایک ایسا سائنس دان ہے جس کی ذہانت نے یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور کیا کہ قدرت شعور کے اوصاف سے بے بہرہ نہیں ہوسکتی اور یہ کہ کائنات کے اندر ایک تخلیقی اور رہنما قوت بھی کارفرما ہے تاہم فلسفہ جو سائنس کی طرح حقیقت کی کسی جزوی یا محدود واقفیت پر کبھی قانع نہیں ہوا اور جو تلاش حقائق میں وجدان کی راہ نمائی سے پورا فائدہ اُٹھاتا ہے، ہمیشہ اس بات پر اصرار کرتا رہا ہے کہ عقدہ کائنات کا معقول اور مکمل حل جس کے لئے انسان فطری طور پر بے تاب ہے اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ نظامِ عالم میں شعور کو ایک مرکزی حیثیت نہ دی جائے۔ قرون وسطیٰ کی اروپائی حکمت کا مقصد تو عیسائیت کی عقلی توجیہ کے سوائے اور کچھ نہ تھا لیکن شعور جیسا کہ وہ انسان اور کائنات کے اندر موجود ہے نہ صرف قرون وسطیٰ کے فلسفہ کا بلکہ عصر جدید کے ان بڑے بڑے فلسفیانہ نظریات کا بھی واحد موضوع رہا ہے جو ڈیکارٹ، لیبنز ،شوپن ہار، نیٹشے ،کانت، سپائی نوزا، ہیگل، فشتے ،کروچے اور برگسان ایسے مقتدر فلسفیوں نے پیش کیے ہیں اور جن میں وہ خدا، روح کائنات، حقیقت مطلقہ، تصور مطلق، قوت، ارادہ کائنات، شعور ابدی، افراد حیات، خودی شعوری قوتِ حیات وغیرہ اصطلاحات سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سائنس کی مادّیات کو پہلا چیلنج

سائنس کی مادیات پر سب سے پہلے جس فلسفی نے شدید اعتراضات کیے وہ انگلستان کا بشپ جارج برکلے تھا جس نے کہا کہ مادی دنیا اپنی کوئی جداہستی نہیں رکھتی کیونکہ ہم فقط حواس کے ذریعہ سے جانتے ہیں اور یہ جاننا شعور کے بغیر ممکن نہیں چونکہ ہمارے شعور سے باہر مادہ کی کائنات کا اپنا کوئی وجود نہیں ہوسکتا اس لئے جو چیز حقیقتاً موجود ہے وہ شعور ہے نہ کہ مادہ، حواس کے ذریعہ سے ہمیں جس چیز کا علم حاصل ہوتا ہے وہ مادہ نہیں بلکہ فقط رنگ، صورت، شکل، آواز، نرمی اور سختی وغیرہ مختلف اوصاف ہیں اور ان اوصاف کو جاننے کے لئے ضروری ہے کہ شعور ان کا احساس کرے اور شعور کے بغیر ان میں سے کوئی چیز بھی موجود نہ ہوسکے گی پس مادہ کی حقیقت فقط

شعور ہے۔ برکلے اپنے نظریہ کی روشنی میں ایک غیر فانی ابدی شعور کی ہستی کو ثابت کرنے کے لئے جو دلیل قائم کرتا ہے وہ اسی طرح کی ہے:

''آسمان کے تمام ستارے اور زمین کی تمام چیزیں مختصر یہ کہ تمام اشیاء جو اس کائنات کی ترکیب میں حصہ لیتی ہیں شعور کے بغیر کوئی وجود نہیں رکھتیں اگر میں ان کا احساس نہ کروں یا اگر وہ میرے یا کسی اور مخلوق ہستی کے شعور کے اندر موجود نہ ہوں تو پھر یا ان کا کوئی وجود ہی نہیں یا ان کا وجود کسی ابدی شعور کے علم میں ہے۔''

نوتصوّریت

برکلے کی اس تصوریت کو اس زمانے میں ایک جدید فلسفہ جسے نوتصوریت کہنا چاہیے اور جس کے شارحین اٹلی کے دو فلسفی کروچے اور جینٹیلے ہیں..... بہت مضبوط سہارا مل گیا ہے یہ دونوں فلسفی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ کائنات روح اور شعور کے سوا اور کچھ نہیں ان کا فلسفہ نہ صرف زمانہ کے لحاظ سے جدید ترین ہے بلکہ بہت سے حکماء کے خیال کے مطابق موجودہ زمانہ کے فلسفوں میں سے ایک نہایت ہی اچھوتا اور اثر انگیز فلسفہ ہے یہ فلسفہ اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ ہمارے شعور کا احساس ہی ایک ایسی چیز ہے جس کی حقیقت کے بارے میں ہمیں یقین ہوسکتا ہے اس مفروضہ سے استدلال کرتے ہوئے ہم اس فلسفیانہ نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اگر کائنات کی حقیقت کوئی ایسی چیز ہے جسے ہم جان سکتے ہیں تو وہ لامحالہ ہمارے شعوری تجربہ یا احساس کے ساتھ مماثلت رکھتی ہے اور چونکہ خود شعوری ہمارا واضح ترین احساس ہے اس لئے مادی کائنات کی حقیقت بھی لازماً ایک اعلیٰ قسم کی خوشنودی ہے۔

اقبال کی تنقید

جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے انیسویں صدی کے ماہرین طبیعیات کے لئے اس قسم کے خیالات کو قبول کرنا ممکن نہ تھا کیونکہ ایسا کرنے سے قائم بالذات ازلی اور ابدی میکانکی قوئی کے طور پر ان کے مادی قوانین کی بنیادیں اکھڑ جاتی تھیں ان قوانین کی بنیاد یہ عقیدہ تھا کہ مادہ کا اپنا خارجی وجود ہے جو شعور کے افعال اور خواص پر ہرگز موقوف نہیں۔ اقبال لکھتے ہیں:

''طبیعیات ایک تجرباتی علم ہے جو ہمارے حسی تجربات سے بحث کرتا ہے ماہر

طبیعیات کی تحقیق وتجسس کا آغاز وانجام محسوس مظاہر قدرت سے تعلق رکھتا ہے جن کے بغیر وہ اپنے دریافت کیے ہوئے حقائق کی صداقت کا امتحان نہیں کرسکتا یہ صحیح ہے کہ وہ غیر مرئی اشیاء مثلاً جواہر کو بھی اپنے مفروضات میں داخل کرتا ہے لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بغیر وہ اپنے حسی تجربات کی تشریح نہیں کرسکتا۔ گویا طبیعیات کا علم فقط مادی دنیا کا مطالعہ کرتا ہے جسے ہم اپنے حواس کی مدد سے جان سکتے ہیں یہ مطالعہ جن ذہنی اعمال وافعال پر یا جن روحانی یا جمالیاتی احساسات وتجربات پر موقوف ہے، اگر چہ وہ سب مل کر ہمارے تجربہ کی پوری وسعت کا ایک عنصر ہیں تاہم وہ طبیعیات کے دائرہ تحقیق سے خارج تصور کیے جاتے ہیں اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ طبیعیات کا مطالعہ مادی کائنات تک یعنی کائنات کے اس حصہ تک جس کا مشاہدہ ہم اپنے حواس سے کرتے ہیں محدود ہے لیکن جب میں آپ سے پوچھوں کہ آپ مادی دنیا کی کون سی چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں تو آپ اپنے اردگرد کی معروف اشیاء کا ذکر کریں گے مثلاً زمین، آسمان، پہاڑ، کرسیاں، میز وغیرہ جب میں آپ سے مزید یہ سوال کروں کہ ان اشیاء میں سے آپ خاص کر کس چیز کا مشاہدہ کرتے ہیں تو آپ کا جواب فوراً یہ ہوگا کہ ان کی صفات وخصوصیات کا۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے سوال کا جواب دیتے ہوئے ہم اپنے حواس کی شہادت کی حقیقت کا ایک تصور قائم کرتے ہیں اس تصور کا حاصل یہ ہے کہ اشیاء اور ان کے اوصاف الگ الگ چیزیں ہیں یہ دراصل حقیقت مادہ کا ایک نظریہ ہے یعنی محسوسات کی حقیقت اور ادراک کرنے والے شعور کے ساتھ ان کے تعلق اور ان کے بنیادی اسباب کا نظریہ۔ مختصر طور پر یہ نظریہ حسب ذیل ہے:

محسوسات (رنگ۔ آواز) اِدراک کرنے والے ذہن کی حالتیں ہیں اور لہٰذا اگر قدرت کو خارج میں وجود رکھنے والی کوئی چیز قرار دیا جائے تو یہ قدرت کے دائرے میں نہیں آتیں اس بنا پر وہ کسی معقول معنوں میں مادی اشیاء کی صفات نہیں ہوسکتیں۔ جب میں یہ کہوں کہ آسمان نیلا ہے تو میرا مطلب اس سے زیادہ کچھ

نہیں ہوسکتا کہ آسمان میرے ذہن میں نیلاہٹ کا ایک احساس پیدا کرتا ہے یہ نہیں کہ نیلاہٹ ایک صفت ہے جو آسمان میں پائی جاتی ہے ذہنی حالتوں کی حیثیت سے وہ تاثرات ہیں یعنی کچھ ایسے نتائج جو ہماری ذات میں نمودار ہوئے ہیں ان نتائج کا سبب مادہ ہے یا مادی چیزیں ہیں جو ہمارے حسی اعصاب اور دماغ کے ذریعہ سے ہمارے شعور پر اثر انداز ہوتی ہیں یہ مادی سبب چھونے یا ٹکرانے سے عمل کرتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اس میں صورت، حجم، ٹھوس پن اور مزاحمت کی صفات موجود ہوں۔

پہلا فلسفی جس نے اس نظریہ کی تردید کا کام اپنے ذمہ لیا کہ مادہ ہمارے حسی تجربات کا ایک نامعلوم سبب ہے، برکلے (BERKELEY) تھا۔ ہمارے زمانہ میں وائٹ ہیڈ نے جو ایک ممتاز ماہر ریاضیات اور سائنس دان ہے قطعی طور پر ثابت کردیا ہے کہ مادیت کا مروّج نظریہ بالکل بے بنیاد ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اس نظریہ کی رو سے رنگ و آواز وغیرہ فقط ذہنی حالتیں ہیں اور قدرت کا کوئی جزو نہیں، آنکھ یا کان میں جو چیز داخل ہوتی ہے وہ رنگ یا آواز نہیں بلکہ وہ ایتھر (ETHER) کی ناقابل دید امواج یا ہوا کی ناقابل شنید لہریں ہیں قدرت وہ نہیں جو ہم اسے سمجھتے ہیں ہمارے ادراکات سراب کی طرح ہیں اور یہ کہنا ممکن نہیں کہ وہ قدرت کی صحیح بے نقابی کرتے ہیں۔ قدرت خود اس نظریہ کے مطابق دو حصوں میں بٹ جاتی ہے ایک ہمارے ذہنی تاثرات اور دوسرے وہ خارجی ناقابل فہم اور ناقابل امتحان موجودات جو ان تاثرات کو پیدا کرتے ہیں، اگر طبیعیات فی الواقع مدرک اور معلوم اشیاء کا کوئی مربوط اور صحیح علم ہے تو مادہ کا مروّج نظریہ ترک کردینا ضروری ہے اور اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے کہ یہ ہمارے حواس کی شہادتوں کو جن پر ایک ماہر طبیعیات جو تجربات و مشاہدات سے سروکار رکھتا ہے کلی انحصار کرنے پر مجبور ہے۔ مشاہدہ کرنے والے کے ذہنی تاثرات سے زیادہ حقیقت نہیں دیتا۔ یہ نظریہ قدرت اور قدرت کا مشاہدہ کرنے والے کے درمیان ایسی خلیج حائل کردیتا ہے جسے پاٹنے کے لئے اسے اس مشکوک مفروضہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے کہ یہاں کوئی ایسی

نامعلوم چیز موجود ہے جو گویا بسیط فضا کے ایک برتن میں پڑی ہے اور کسی خاص قسم کے ٹکراؤ کے نتیجہ کے طور پر ہمارے احساسات کو پیدا کرتی رہتی ہے پروفیسر کے وائٹ ہیڈ کے الفاظ میں یہ نظریہ قدرت کے ایک حصہ کو محض ایک ''خواب'' اور دوسرے حصہ کو محض ایک ''اٹکل'' بنا کر رکھ دیتا ہے اس طرح سے طبیعیات اپنی بنیادوں پر تنقید کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے بالآخر اس بات کی معقول وجہ پاتی ہے کہ اپنے ہی تراشے ہوئے بت کو آپ ہی توڑ ڈالے اس طرح سے تجرباتی نقطہ نظر جو شروع میں گویا حکمیاتی مادیات کو ضروری قرار دے رہا تھا آخر کار مادہ کے خلاف بغاوت پر ختم ہو جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ چونکہ اشیاء ایسی ذہنی حالتیں نہیں جو کسی نامعلوم چیز سے جسے ہم مادہ کا نام دیتے ہیں پیدا ہو رہی ہیں لہٰذا وہ سچ مچ کے مظاہر قدرت ہیں جو قدرت کی حقیقت ہیں اور جن کو ہم بالکل اسی طرح سے جانتے ہیں جیسا کہ وہ فی الواقع قدرت کے اندر موجود ہیں۔''

سائنس دانوں کے نئے تصورات

جب برکلے نے نیوٹن (NEWTON) کے طبیعیاتی قوانین پر سب سے پہلے اعتراض اُٹھایا تو سائنس دانوں نے ایک نفرت آمیز طعن و تشنیع کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ کسے خبر تھی کہ اس بحث میں کہ آیا مادہ حقیقی ہے یا شعور، فلسفی جلد ہی سائنس دانوں پر غالب آجائیں گے اور وہ بھی سائنس دانوں کی اپنی ہی تحقیقات و انکشافات کی بدولت۔ فلسفی تو مدت سے کائنات کی ایک ایسی تشریح پر مصر تھے جو حقیقت شعور پر مبنی تھی اگر ان کا نقطۂ نظر عام قبولیت حاصل نہ کر سکا تھا تو اس کی وجہ فقط سائنس ہی کی رکاوٹ تھی لیکن اب بیسویں صدی کی سائنس کے انکشافات نے جن میں نظریۂ اضافیت، نظریۂ کوانٹم اور عالم حیات کے بعض حقائق شامل ہیں، یہ رکاوٹ دور کر دی ہے۔ طبیعیات جدید کی تحقیقات نے مادہ کو (جو کسی وقت ٹھوس سادہ اور روشن حقیقت کا درجہ رکھتا تھا) اور اس کے ساتھ قوت، حرکت، فاصلہ، وقت اور ایتھر کو محض لاشے میں بدل دیا ہے۔ ڈاکٹر جوڈ (JOAD) کے الفاظ ہیں:

''جدید مادہ ایک ایسی بے حقیقت چیز ہے جو ہاتھ نہیں آسکتی۔ یہ فاصلہ اور

وقت کے مرکب کا ایک ابھار برقی رو کا ایک جال یا امکان کی ایک لہر ہے جو دیکھتے ہی دیکھتے فنا کے اندر کھو جاتی ہے۔ اکثر اوقات اسے مادہ کی بجائے دیکھنے والے کے شعور کا ہی ایک پھیلاؤ سمجھا جاتا ہے۔''

ڈاکٹر اقبال لکھتے ہیں:

''لیکن مادہ کے تصور کو جس شخص نے سب سے بڑی ضرب لگائی ہے وہ ایک اور ممتاز ماہر طبیعیات حکیم آئن سٹائن (EINSTIEN) ہے جس کے انکشافات نے نوعِ بشر کی علمی دنیا کے اندر ایک دوررس انقلاب کی داغ بیل ڈالی ہے۔ رسل (RUSSEL) کہتا ہے ''نظریۂ اضافیت نے ''وقت'' کو ''فاصلہ۔وقت'' میں مدغم کر کے مادہ کے قدیم تصور کو فلسفیوں کے تمام دلائل سے بڑھ کر شکستہ کیا ہے۔ عقل عامہ کے نقطہ نظر سے مادہ ایک ایسی چیز ہے جو مرورِ وقت سے نہیں بدلتا اور فضا میں حرکت کرتا ہے لیکن اضافیت کی جدید طبیعیات کی رو سے یہ نظریہ بے بنیاد ہو گیا ہے اب مادہ کا کوئی جز و ایک ایسی قائم بالذات شے نہیں جس کی فقط حالتیں بدلتی رہیں بلکہ وہ ایک دوسرے سے تعلق رکھنے والے متعدد واقعات کا ایک نظام ہے۔ مادہ کا وہ پرانا ٹھوس پن جاتا رہا ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ تمام خاصیات بھی جاتی رہی ہیں جن کی وجہ سے وہ ایک فلسفی کو گریز پا خیالات سے زیادہ حقیقی نظر آتا تھا۔''

پروفیسر روژے (ROUGHIER) نظریۂ اضافیت سے پیدا ہونے والے نتائج پر بحث کرتے ہوئے اپنی کتاب ''فلسفہ اور طبیعیات جدید'' میں لکھتا ہے:

''اس طرح مادہ الکترانوں میں تبدیل ہو جاتا ہے جو خود لطیف لہروں کی صورت اختیار کرتے ہوئے فنا ہو جاتے ہیں۔ گویا مادہ کا مستقل نقصان اور قوت کا ناقابل تلافی انتشار عمل میں آتا ہے۔ دوام مادہ کے اس ہمہ گیر اُصول کی بجائے جو سائنس دانوں نے سائنس کی بنیاد قرار دیا تھا اور جو اسے قابل فہم بناتا تھا یعنی ''نہ تو کوئی چیز وجود میں آتی ہے اور نہ فنا ہوتی ہے۔'' اب ہمیں یہ متضاد اُصول وضع کرنا چاہیے کہ ''کوئی چیز وجود میں نہیں آتی، ہر چیز فنا ہو جاتی ہے'' دنیا ایک آخری بربادی

کی طرف بڑھتی چلی جارہی ہے اور ایتھر جس کے بارہ میں ناحق یہ دعویٰ کیا جاتا تھا کہ وہ کائنات کا سہارا ہے۔ کائنات کی آخری قبر ثابت ہوتی ہے۔''

ڈاکٹر ہیری شمٹ(HARRY SCHMIDT) نے اپنی کتاب ''اضافیت اور کائنات'' میں یہ بتاتے ہوئے کہ نظام عالم میں نظریہ اضافیت کے داخل ہونے کے بعد کائنات کی کیفیت کیا ہوتی ہے بڑے مایوسانہ انداز میں لکھا ہے:

''فاصلہ اور وقت بے حقیقت ہوکر رہ گئے ہیں خود حرکت بے معنی ہوگئی ہے اجسام کی شکل وصورت ہمارے نقطہ نظر پر موقوف ہوگئی ہے اور کائنات کی ایتھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئی ہے۔ افسوس کہ تم نے خوبصورت دنیا کو ایک شدید ضرب کے ساتھ برباد کردیا ہے اب یہ ٹوٹ پھوٹ چکی ہے اور اس کے ٹکڑے منتشر کردیے گئے ہیں اب ہم ان ٹکڑوں کو فنا کے سپرد کرتے ہیں اور بڑے درد کے ساتھ اس حسن کا ماتم کرتے ہیں جو تباہ ہوگیا ہے۔''

مادہ کی اصل

لیکن اگر مادہ حقیقی اور پائیدار نہیں تو پھر مادہ کی عدم موجودگی میں ہم مخلوقات کی اس بوقلمونی اور رنگارنگی کی وجہ کیا بتاسکتے ہیں جس میں جابجا حسن کار، ہنر، مدعا، تناسب، ہم آہنگی اور بے خطا ریاضیاتی ذہن کے اوصاف کارفرما نظر آتے ہیں۔ یقیناً یہ سب شعور ہی کے اوصاف ہیں لہٰذا شعور ہی کائنات کی آخری حقیقت ہے جس سے دنیا جگمگا رہی ہے مادہ کے فانی ہونے کے بعد اب اس نظریہ کے لئے کائنات کی آخری حقیقت شعور ہے نہ صرف راستہ صاف ہوگیا ہے بلکہ اب اس نظریہ کے تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہیں۔ آج شعور کو کائنات کی حقیقت قرار دینا عقلی طور پر اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ انیسویں صدی میں یہ ماننا ضروری تھا کہ کائنات فقط مادہ سے بنی ہے۔ فلسفہ تو اپنی ساری تاریخ میں سائنس کی تائید کے بغیر بلکہ سائنس کی مخالفت کی باوجود کائنات کی روحانی توجیہ پر اصرار کرتا رہا ہے اور فلسفہ کا یہ نظریہ قدیم سائنس کے مادیاتی نظریہ سے کسی طرح کم معقول یا کم قابل قبول نہیں تھا لیکن اب سائنس بھی اس کی تائید میں وزن دار شہادت پیش کررہی ہے۔ چونکہ مادہ بے حقیقت اور فانی ثابت ہوا

ہے لہٰذا طبیعیات کے ماہرین محسوس کرنے لگے ہیں کہ اب وہ مادہ کی دنیا کے اندر محدود رہ کر طبیعیات کے مسائل کو حل نہیں کر سکتے اور مجبور ہیں کہ مادہ کی دنیا سے آگے نکل کر صداقت کی جستجو کریں کیونکہ اب مادہ کی حقیقت مادہ سے پرے کی دنیا میں ہی معلوم کی جا سکتی ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انگلستان اور یورپ کے بہت سے ماہرین طبیعیات مثلاً ریڈنگٹن، جینز، وائٹ ہیڈ، آئن سٹائن، شروڈنگر اور پلانک مادی دنیا کی حقیقت کی وضاحت روحانی نقطہ نظر سے پیش کر رہے ہیں اب وہ ماہرین طبیعیات ہی نہیں بلکہ ماہرین ماوراء طبیعیات بھی ہیں ان سب سائنس دانوں کے دلائل اس مفروضہ کی تائید کرتی ہیں کہ کائنات کی حقیقت شعور ہے مادہ نہیں۔ جوڈ (JOAD) لکھتا ہے:

''سربرآوردہ سائنس دانوں کی نگاہ میں علم طبیعیات کی ترقی کی موجودہ منزل ایسے نتائج کی طرف راہ نمائی کر رہی ہے جو قدیم مادیات کے نتائج کے بالکل برعکس ہیں اور جو کائنات کی روحانی توجیہ کی اتنی ہی پرزور تاکید کرتے ہیں جتنی کہ آج سے پچاس سال پہلے سائنس کائنات کی مادی توجیہ کی تائید کرتی تھی۔''

نظریہ کوانٹم کے موجد پروفیسر پلانک کے ساتھ مسٹر جے ڈبلیو این سلیون کی ایک گفتگو 26 جنوری 1931ء کے رسالہ آبزرور میں شائع ہوئی تھی اس میں پروفیسر پلانک کہتا ہے:

''میں شعور کو ایک بنیادی حقیقت سمجھتا ہوں اور مادہ کو شعور کا نتیجہ سمجھتا ہوں ہم شعور سے آگے نہیں جا سکتے ہر چیز جس کا ہم ذکر کرتے ہیں یا جس چیز کو موجود تصور کرتے ہیں اس کی ہستی شعور پر مبنی ہے۔''

سر آلیور لاج (OLIVER LADGE) لکھتا ہے:

''کائنات پر شعور کی حکومت ہے خواہ یہ شعور کسی ماہر ریاضیات کا سمجھا جائے یا کسی مصور کا یا کسی شاعر کا یا ان سب کا یا ان کے علاوہ اوروں کا یہی وہ حقیقت ہے جو ہستی کو معنی خیز بناتی ہے ہماری روزمرہ کی زندگی میں رونق پیدا کرتی ہے ہماری اُمید کو بڑھاتی ہے اور جب علم ناکام رہ جاتا ہے تو یقین کے ساتھ ہمیں قوت بخشتی ہے اور تمام کائنات کو ایک لازوال محبت سے پرنور بناتی ہے۔''

(جاری ہے)

حکمت بالغہ کی خصوصی اشاعت

یاجوج ماجوج نمبر

پر

اہل علم کی آراء وتاثرات

1۔ ڈاکٹر ابصار احمد سابق صدر شعبہ فلسفہ PU، صدر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

جناب انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب اور ان کی پوری ٹیم یقیناً تحسین کے لائق ہیں کہ جنہوں نے نہایت محنت سے اتنا ضخیم نمبر نکالا اور اس میں خود بھی نہایت تفصیل سے لکھا۔ اس خصوصی نمبر کے 152 صفحات ہیں۔

یہ خصوصی نمبر ادار یہ بعنوان حرف آرزو اور یاجوج ماجوج سے متعلق تین ابواب پر مشتمل ہے۔ آخر میں حاصل کلام میں سارے مباحث کو سمیٹا گیا ہے اور استدراک کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ اس خصوصی نمبر کی خصوصیت نقشہ جات ہیں، جس سے قاری کو فوری طور پر جغرافیائی لحاظ سے مختلف خطہ جات میں رہنمائی مل جاتی ہے۔

یہ بات نہایت ہی خوش آئند ہے کہ دیگر محققین کی تحقیقات کو بھی پیش کیا گیا ہے، جیسا کہ ابوالکلام آزاد، مولانا مناظر احسن گیلانی اور عمران این حسین کی تحقیقات قارئین کے سامنے پیش کی گئی ہیں۔ التفسیر الحدیث (عربی) کے مفسر محمد عزۃ دروزہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ دو عجمی علماء مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اور ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج کے بارے میں نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ اس نمبر میں ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کا تو تفصیلی اقتباس دیا گیا ہے۔ اچھا ہوگا کہ آئندہ اپنے کسی شمارے میں مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی آراء کو بھی پیش کیا جائے؛ کیونکہ

وہ بھی نہایت پختہ علم رکھنے والی شخصیت تھی۔اس سلسلے میں فاروقی صاحب کو شبلی مرحوم کا نقطہ تلاش کرنا پڑے گا کہ انہوں نے اپنی آراء کو کس کتاب میں ذکر کیا ہے ان کی یہ تلاش بھی اللہ کے ہاں اجروثواب کا باعث ہوگی۔

میرے خیال میں یاجوج ماجوج کا تعلق نہ صرف تاریخ سے بلکہ مستقبل سے بھی ہے۔ فاروقی صاحب اقوام کی تاریخ سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مختلف تاریخی واقعات کے مابین نہایت دلچسپ انداز میں ربط تعلق قائم کیا ہے۔

یاجوج ماجوج کو متعین کر کے بتانا نہایت دشوار عمل ہے۔مسلمان مفکرین اگر اپنے اپنے طور پر متعین کرنا شروع کر دیں تو معاملہ نہایت گھمبیر ہو جائے گا اور مسلمان عوام کسی نتیجہ پر پہنچنے سے قاصر رہیں گے۔لہٰذا اس کو عمومی انداز میں پیش کرنا چاہیے۔

ایک طرف صفحہ 19 پر النواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بیان کر رہے ہیں کہ یاجوج ماجوج کا کب خروج ہوگا، جس میں ان کا وقت خروج 'نزولِ مسیح کا دور بتایا گیا ہے تو دوسری طرف اسرائیل کی حمایتی اقوام کو یاجوج ماجوج کہا جا رہا ہے، اس صورت سے قارئین کیسے مطمئن ہوں گے؟

2۔ ڈاکٹر طالب حسین سیال، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

سرزمین جھنگ پنجاب کے وسط میں واقع ہے اس علاقے کی تاریخی اور تہذیبی اہمیت مسلّم ہے۔ جھنگ شاعروں، ادیبوں، نثر نگاروں، صوفیاء وعلماء اور شہرۂ آفاق سائنس دانوں کی سرزمین ہے۔ جاگیرداری نظام کے تسلط کی وجہ سے یہ ضلع تعلیم میں پس ماندہ تھا اور سرکاری ملازمتوں میں قلیل تعداد نظر آتی تھی لیکن سید اسد علی شاہ مرحوم، جسٹس منظور حسین سیال، مہر جیون خان اور اللہ بخش کلیار اور جھنگ آفیسرز ایسوسی ایشن کی کوششوں سے اب اس ضلع کی تعلیمی حالت میں کافی بہتری آئی ہے اور جھنگ کے کئی نوجوانوں نے تعلیم اور بیوروکریسی کے شعبوں اچھی شہرت پائی ہے اور قابل قدر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

اس ضلع میں دینی مدارس اور دینی درسگاہوں کی بھی کمی نہیں ہے لیکن دین میں سنجیدہ

تحقیق وتعلیم کا جو کام حکمت بالغہ کے ذریعے دیکھنے میں آرہا ہے وہ اس علاقے کے لئے قابل فخر ہے۔ میرا حکمت بالغہ سے دوسال پرانا تعارف ہے میں اس کے مضامین کو باقاعدگی سے پڑھتا ہوں۔ قرآن وسنت کی روشنی میں جدید مسائل اور چیلنجز سے متعلق اس میگزین میں چھپنے والے متنوع مضامین کا معیار قابل ستائش ہے۔ حکمت بالغہ کا دوسرا نام انجینئر مختار فاروقی ہے۔ فاضل مدیر کے خیالات سے اختلاف کیا جاسکتا ہے لیکن اُن کے تحقیقی وتجزیاتی مقالوں پر اُن کو داد نہ دینا ناانصافی ہے۔ وہ نہایت قابلیت اور ریاضت سے اپنے وسیع وعمیق مطالعے کے نتائج کو سلیس زبان اور پرتاثر آہنگ میں بیان کرتے ہیں۔ وہ کئی وقیع کتابوں کے مصنف ہیں اور حکمت بالغہ کے مختلف موضوعات پر کئی نمبرز شائع کر چکے ہیں۔

حکمت بالغہ کا ماہ ستمبر 2012ء کا شمارہ یاجوج ماجوج نمبر سے موسوم کیا گیا ہے۔ یاجوج ماجوج اور ذوالقرنین کے بارے میں قرآن حکیم کی آیات پڑھ کر قاری کے ذہن میں کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں مثلاً یاجوج ماجوج کس علاقے میں رہتے تھے یہ کس نسل سے تعلق رکھتے تھے؟ ذوالقرنین جیسا عادل اور انجینئر بادشاہ کس عہدے اور کس علاقے سے تعلق رکھتا تھا؟ واعظین سے یاجوج ماجوج کے بارے میں اسراریت کو حاوی کر دیا تھا اور اس کے مفہوم ومعانی کو قربِ قیامت کی نشانیوں سے مخصوص کر دیا تھا۔ اس قوم کے بارے میں کئی افسانے اور کئی حکایات سننے کو ملتی تھیں لیکن جب مختار فاروقی صاحب نے پیدا ہونے والے تمام سوالات اور شکوک وشبہات اور قیاسات کو مدنظر رکھتے ہوئے اسی موضوع کا مبسوط اور جامع تجزیہ پیش کیا ہے۔

اُنہوں نے اس موضوع پر قلم اُٹھایا ہے تو تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ اُنہوں نے مولانا ابوالکلام آزاد اور سید مناظر احسن گیلانی کے اس موضوع پر تحقیقی مضامین شامل کر کے حکمت بالغہ کی وقعت اور افادیت میں خاطر خواہ اضافہ کیا ہے۔ فاضل مدیر کی منفرد تحقیق اور اُس کے نتائج قابل قدر اور قابل مذاکرہ ہیں۔

مختار فاروقی صاحب کا یہ کمال اور اعزاز ہے کہ اُنہوں نے یاجوج ماجوج نمبر کے بارے میں مختلف آرا کو یکجا کر دیا ہے اور اپنی تخلیق کی بنیاد تاریخی شہادتوں اور معروف تاریخ دانوں اور اہل علم کی آرا پر رکھی ہے۔ قرآن اکیڈمی جھنگ، مختار فاروقی اور اُن کے معاونین اس علمی

کارنامے پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔ میں ان کی اس سعی بلیغ پر ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔ اُمید ہے کہ اُن کا یہ شمارہ جدید تعلیم، یافتہ مدارس کے علماء وطلباء اور جامعات وکالجوں کے طلبا کے مطالعے کے لیے مفید اور نافع ثابت ہوگا۔

3۔ پروفیسر (ر) خلیل الرحمٰن محمود آباد ٹوبہ ٹیک سنگھ

انجمن خدام القرآن جھنگ کے زیر اہتمام باقاعدگی سے شائع ہونے والے ماہنامہ 'حکمت بالغہ' کے قاری کی حیثیت سے اپنے کچھ تاثرات بیان نہ کرنا کتمان حق شمار ہوگا۔ اس وقت میرے پیش نظر ماہ ستمبر 2012 کا خصوصی شمارہ 'یاجوج ماجوج نمبر' ہے۔ اس سے قبل اس جریدہ کے کئی خصوصی نمبر زشائع ہو چکے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کی تحریر کتابی شکل میں بھی موصول ہوئی تھی جس کا عنوان تھا ''جنوبی ایشیا میں مسلم بیداری کے 100 سال''

1۔ موجودہ عالمی حالات میں کثرت تعداد کے باوجود مسلمان ذلت و رسوائی اور بے وقعتی کی کیفیت سے دو چار ہیں مسلمان ممالک بشمول پاکستان کے حکمران ذہناً امریکہ کی بالادستی قبول کر کے اس کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں ایک عام سنجیدہ مسلمان پر ایک مایوسی کی کیفیت طاری ہے۔ مایوسی کے ان گھٹا ٹوپ اندھیروں میں مستقبل قریب میں کوئی امید کی کرن نظر نہیں آتی۔

2۔ ان دگرگوں حالات میں آپ کی نہایت سلیس اور موثر تحریریں مسلمانوں کو ان کا شاندار ماضی یاد دلاتی ہیں اور قرآن وحدیث کی روشنی میں آنے والے وقت میں موجودہ ظالمانہ استحصالی عالمی نظام کے خاتمے اور غلبہ اسلام کی نوید سناتی ہیں۔ ان سے یقیناً ایک جذبہ عمل بیدار ہوتا ہے۔

3۔ 'جنوبی ایشیا میں مسلم بیداری کے 100 سال' میں آپ نے یہ تاریخی حقیقت آشکارا کی ہے کہ جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کی جدوجہد سے دو عالمی مغربی طاقتیں برطانیہ اور روس زوال سے دو چار ہو چکی ہیں اور اب تیسری قوت امریکہ ذلت و رسوائی کے ساتھ ایسے ہی انجام سے دوچار ہونے والی ہے۔

4۔ موجودہ خصوصی شمارہ 'یاجوج ماجوج نمبر' کے حوالے سے بندہ ناچیز معترف ہے کہ واقعتاً

آپ نے نہایت محنت و جانفشانی سے موضوع کے حوالے سے بہت مفید معلومات جمع کی ہیں۔ قرآن حکیم کے دو مقامات، احادیث اور دیگر الہامی اور غیر الہامی کتب میں یاجوج ماجوج نامی قوم کا تذکرہ ملتا ہے اور یہ قوم دنیا میں ظلم و فساد اور بدامنی کا سبب ہے۔

5۔ عالمی تاریخ و جغرافیہ کے گہرے اور وسیع مطالعے کے بنیاد پر آپ کا یہ تجزیہ درست معلوم ہوتا ہے کہ سائبیریا کی وحشی اقوام جو اب یورپ میں آباد ہیں ان کا سرپرست اسرائیل، اس کے حمایتی امریکہ، فرانس، برطانیہ، چین اور روس یہ سب اپنے مقاصد کی روشنی میں یاجوج ماجوج ہیں۔

6۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں آپ کا یہ پیغام بہت امید افزا ہے کہ بہت جلد ان تمام فسادی قوتوں کا خاتمہ ہوگا اور عالمی نظام خلافت قائم ہوگا اور اس کا نقطہ آغاز پاکستان ہوگا۔

آپ کی ان تحریری کاوشوں پر میں آپ کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان حالات میں اپنی ذمہ داریوں کا شعور بخشے اور ہمیں ایک مثبت کردار ادا کرنے کی توفیق فرمائے۔ آمین۔

4۔ کرنل (ر) عاشق حسین، پرنسپل ڈسٹرکٹ جناح پبلک سکول، منڈی بہاؤالدین

یاجوج ماجوج نمبر کی اشاعت پر محترم مختار فاروقی صاحب بالخصوص اور حکمت بالغہ کی پوری ادارتی ٹیم بالعموم مبارکباد کی مستحق ہے۔ یاجوج ماجوج ایک ایسا دقیق، عمیق اور الجھا ہوا موضوع ہے جس پر ماضی میں بڑے بڑے اہل علم حضرات نے اپنی تحقیق و تدقیق کے جوہر دکھائے مگر اس موضوع کا الجھاؤ حتمی اور قطعی طور پر دور نہ ہو سکا۔ ایسے مشکل موضوع کے لیے اپنے جریدے کی ایک اشاعت مکمل طور پر مخصوص کر دینے کا حوصلہ صرف فاروقی صاحب جیسے مردِ مجاہد ہی کو زیب دیتا ہے۔

حکمت بالغہ کے صفحات میں اس موضوع کو کس کس زاویے سے کس کس انداز میں فوکس کیا گیا ہے اور یہ کوشش کس حد تک کامیاب رہی ہے اس کا کما حقہ تجزیہ تو اہلِ علم حضرات ہی کر سکتے ہیں مگر ان صفحات کے مطالعہ کے بعد میرے جیسا ایک عام قاری بھی کم از کم یہ فتویٰ تو بے دھڑک جاری کر سکتا ہے کہ حکمت بالغہ کا یاجوج ماجوج نمبر انتہائی بصیرت افروز، چشم کشا اور

معلومات افزا ہے۔اس پیشکش کے جس پہلو نے مجھے خصوصی طور پر متاثر کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں فاروقی صاحب نے دورِ حاضر کی ''یاجوجیت ماجوجیت'' اور دجالیت کو بڑی بے باکی اور کامیابی سے بے نقاب کیا ہے، بڑی وضاحت سے اس کے مستقبل کی تصویر کشی کی ہے اور بڑے پراعتماد لہجے میں اس حوالے سے فرزندانِ اسلام کو ان کا مقصدِ حیات یاد دلایا ہے۔

اس خصوصی نمبر کی تحریروں میں تاریخی اور جغرافیائی تحقیق کے علاوہ اشتقاقی تحقیق کے قیمتی اور انمول موتی بھی جا بجا چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔مختلف الفاظ کے اشتقاقات ،مختلف زبانوں میں ان کے تلفظات اور مطالب و مفاہیم کی تفصیلات کے اندر لسانیات سے دلچسپی رکھنے والے قارئین کے لیئے اس موضوع پر بہت سی نئی، دلچسپ اور مفید معلومات موجود ہیں۔ یہ پہلو بجا طور پر فاروقی صاحب کی وسعت علمی اور ان کے ادبی ولسانی ذوق کی غمازی کرتا ہے۔ان صفحات کے مطالعہ کے دوران البتہ ایک کمی جو قاری کو بری طرح کھٹکتی ہے اور صفحہ اول سے لے کر صفحہ آخر تک کھٹکتی ہی چلی جاتی ہے۔وہ یہ ہے کہ ''مقابیس الحکمت'' کے علاوہ ہر باب اور ہر عنوان چیخ چیخ کر اپنے مصنف یا مؤلف کو پکار رہا ہے اور وہ صاحب ہیں کہ ان کا کہیں دور دور تک سراغ ملنا مشکل ہے۔البتہ اس سلسلے میں وہ حضرات جو حکمت بالغہ کی تحریروں کے مخصوص تیکھے انداز سے واقف ہیں وہ چلمن کے پیچھے چھپی اس شخصیت کو آسانی سے پہچان سکتے ہیں۔ بہرحال اس بارے میں فاروقی صاحب سے گزارش ہے کہ آئندہ وہ ایسی کسر نفسی سے پرہیز کریں جو ان کے چاہنے والوں کو ایک نہ ختم ہونے والی تشنگی سے دوچار کردے اور مہربانی فرما کر اپنے ہر مضمون یا تحریر کے ساتھ اپنا نام واضح انداز میں تحریر کیا کریں۔

آخر میں اس اہم اور مثبت پیش رفت کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ حکمت بالغہ نے اپنی تحریروں کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کے معیار کو پہلے سے بہت بہتر بنالیا ہے۔ادارتی ٹیم کو یہ کامیابی بھی مبارک ہو۔میری دعا ہے کہ حکمت بالغہ آنے والے وقت میں مزید بہتر انداز میں اپنے مشن کو آگے بڑھانے اور اپنا پیغام قارئین تک پہنچانے کے لیے اپنا کردار ادا کرتا رہے۔آمین۔

5۔ اعجاز احمد عباسی کراچی کمپنی، اسلام آباد

میں نے حکمت بالغہ کا "یاجوج ماجوج نمبر" ستمبر 2012ء کا مطالعہ نہایت توجہ اور دلچسپی سے کیا ہے۔ میں اس خصوصی اشاعت پر آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔

افغان قوم کے بارے میں پڑھا تھا کہ یہ بنی اسرائیل کے گروہ سے ہیں مگر یہ انکشاف کہ یہ بن یامین کی شاخ سے ہیں دلچسپ انکشاف ہے۔ نقشوں کی مدد سے دنیا کے آباد و متمدن علاقوں اور تجارتی راستوں کی بڑی اچھی نشاندھی کی گئی ہے اور پرانے حملہ آوروں کے بارے میں بڑی اچھی معلومات ملتی ہیں۔ یاجوج ماجوج سے متعلق مختلف علاقوں میں مستعمل الفاظ کا بیان معلومات افزا ہیں۔ اسی طرح 'مندر' اور 'من در' کے الفاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہندوؤں میں بھی 'من' کی دنیا کو سنوارنے کے لئے عبادت گاہیں تو تھیں لیکن آہستہ آہستہ خرافات نے جگہ لے لی۔

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں طوفان کے بعد روئے ارضی پر انسانی نسل کے پھیلاؤ سے متعلق بھی اگر وضاحت کر دی جاتی کہ حضرت نوح علیہ السلام کے کس بیٹے کی اولاد کس علاقے میں آباد ہوئی اور بنی اسرائیل ان کے کس بیٹے کی اولاد میں سے ہیں تو تاریخ کے طالب علم کے لئے بہتر معلومات فراہم ہو جائیں۔

بنی اسرائیل کے گروہ کی ان چالبازیوں کے بارے میں خاصہ مواد اکٹھا ہوا ہے جو وہ ماضی میں کرتے رہے اور حال میں کر رہے ہیں اور مستقبل میں کرنا چاہتے ہیں۔ اس مواد سے مزید تحقیق کے لئے خاصی رہنمائی لی جا سکتی ہے۔

موجودہ تہذیب میں سائبیرین کلچر کا جو رواج ہے یہ بہت مناسب تجزیہ ہے اور آج کا مقتدر طبقہ اسی سائبیرین کلچر میں رنگا ہوا ہے۔

6۔ محمد نذیر یٰسین مرغزار کالونی، لاہور

حکمت بالغہ کے یاجوج ماجوج نمبر کا بے تابی سے انتظار تھا لہٰذا ۱۵۰ صفحات پر مشتمل اس خصوصی ایڈیشن کو مصروفیت کے باوجود دو تین دن کے اندر ختم کر لیا۔ اس ایڈیشن کا اعلان کافی عرصہ پہلے کیا گیا تھا اور اس کے لئے قارئین سے تحریریں بھی طلب کی گئی تھیں۔ ایڈیشن کو دیکھ کر

جب پتہ چلا کہ اس کی تصنیف وترتیب کا کارنامہ تن تنہا محترم مختار فاروقی صاحب کو ہی سرانجام دینا پڑا ہے تو کچھ دھچکا سا بھی محسوس ہوا۔ لگتا ہے کہ اس موضوع پر تحریریں یا تو بھیجی ہی نہ گئیں اور یا پھر وہ قابل اشاعت ہی نہ تھیں۔ یقیناً یہ موضوع اتنا گنجلک اور پر اسرار سمجھا جاتا ہے اور اس پر قلم اٹھانے کے لئے قرآن حکیم، احادیث نبویہ ﷺ اور بائبل وغیرہ کی معلومات کے ساتھ ساتھ تاریخ عالم اور حالات حاضرہ پر گہری نظر کی ضرورت بھی ہے۔ راقم الحروف نے اس حوالے سے جو تحریر بھیجی تھی (اور جسے ماہ اگست کے شمارے میں شامل کیا گیا تھا)، وہ اُن اہل بصیرت علماء ودانشوروں کی خوشہ چینی ہی تھی جنہوں نے اس موضوع پر طبع آزمائی کی ہے۔ بلاشبہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ میں وارد پیش گوئیوں کا ماضی، حال یا مستقبل پر انطباق، ایک ایسا فن یا ذوق ہے جس کے حاملین خال خال ہی ملتے ہیں۔ دور حاضر میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی گنے چنے افراد میں ہوتا ہے اور فاروقی صاحب اُنہی کے دیرینہ رفیق کار ہیں۔ پیشگوئیوں کے انطباق کے حوالے سے ایک حقیقت مدنظر رہنی چاہئے کہ ان کے بارے میں کسی بھی شخصیت کے اظہار خیال کو حتمی حیثیت تو حاصل نہیں ہوتی تاہم یہ اظہار خیال، غور وفکر کے مزید دریچے کھولنے کرنے میں ضرور مفید ثابت ہوتا ہے۔ اگر ہمارے کچھ اسلاف ایسے موضوعات پر اظہار خیال کی جرأت نہ کرتے تو شاید آج ہمارے پاس سوچنے سمجھنے کے لئے کچھ بھی نہ ہوتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آنحضور ﷺ کی پیشگوئیوں کو اُنہیں درپیش آنے والے حالات سے منطبق کرنے کی کوشش کرتے تھے حالانکہ زیادہ تر پیشگوئیوں کا تعلق قربِ قیامت سے ہے۔

ان پیشگوئیوں میں سے اکثر کا تعلق حزب اللہ اور حزب الشیطان کے درمیان معرکہ آرائیوں سے ہے لہذا فاروقی صاحب کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ آج کی عالمی طاقتیں دجال اور یاجوج ماجوج کے بارے میں صحیح معلومات رکھنے کے باوجود اسے چھپا رہی ہیں۔ یہ تمام فتنے انہی طاقتوں کی سازشوں وآشیر باد سے تو رونما ہوں گے لہذا وہ انہیں قبل از وقت کیونکر طشت از بام کرسکتی ہیں؟ یہ پیشگوئیاں پرفتن دور میں ہماری ہی رہنمائی کے لئے بیان کی گئی ہیں تاہم جس طرح قرآن ودیگر احادیث کا جان بوجھ کر غلط انطباق کیا جاتا رہا ہے، اُسی طرح پیشگوئیوں کے متعلق واردروایات کو بھی بددیانتی کے ساتھ منطبق کیا جاتا رہا ہے اور کیا جاتا رہے گا۔ بے شک ہدایت،

گمراہی سے الگ ہو چکی ہے لہٰذا جلد یا بدیر، حق ظاہر و غالب ہو کر ہی رہتا ہے۔ بقول نابغہ عصر ڈاکٹر ذاکر نائیک، ''جھوٹ کا اندھیرا کتنا ہی گہرا کیوں نہ ہو، سچائی کی ایک کرن اُسے مٹا دینے کے لئے کافی ہے۔''

فاروقی صاحب کے مطابق یاجوج ماجوج کا مستند تذکرہ قرآن، بائبل اور ہندو روایات میں ملتا ہے۔ ان میں سے قرآن اور بائبل کا الہامی ہونا تو مسلمہ ہے جبکہ حالیہ تحقیق بنیادی طور پر ہندوازم کے بھی الہامی ہونے کی تائید کرتی ہے۔ راقم الحروف نے اپنے مضمون میں یہ حقیقت بیان کی تھی کہ بائبل میں متعدد بار یاجوج ماجوج کے خلاف نبوت کرنے (یعنی اُنہیں پیغام وحی پہنچانے اور نہ ماننے کی صورت میں اُن سے جہاد کرنے) کا حکم ملتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ درحقیقت الہامی مذاہب کے ماننے والوں کو یاجوج ماجوج کے خلاف قولی و فعلی جہاد کا مکلّف بنایا گیا تھا مگر جب انہوں نے اپنی یہ ذمہ داری پوری نہ کی تو اُنہی یاجوج ماجوج کو اُن پر بطور سزا مسلط کیا جاتا رہا۔ یہودیوں کی بدبختی دیکھیں کہ انہوں نے یہ فریضہ ادا کرنا تو دور کی بات، انہی یاجوج ماجوج سے نہ صرف ہر طرح کے روابط قائم کئے بلکہ تاریخ میں متعدد بار اُنہیں سچے اہل ایمان کے خلاف استعمال بھی کیا۔

فاروقی صاحب کی یہ رائے وزن رکھتی ہے کہ سدذوالقرنین کے اس طرف جو قوم آباد تھی، وہ درحقیقت اسرائیلی تھی جس نے وہاں رہائش تو یاجوج ماجوج قبائل کے ساتھ تجارت کے لئے اختیار کی تھی مگر جب اُنکی معیشت وہاں کافی مضبوط ہوگئی تھی تو اُنہی وحشی قبائل نے وقتاً فوقتاً وہاں آکر اُن سے دست درازی، لوٹ مار اور بھتہ خوری شروع کر دی تھی۔ اس رائے کو قبول کرنے سے اُس قوم کے بارے میں وارد قرآنی الفاظ **لایکادون یفقھون قولا** کی تشریح یہ ہوگی کہ وہ قوم حضرت ذوالقرنین (جو نہ صرف بادشاہ تھے بلکہ ایک مبلغ و داعی الی اللہ بھی تھے) کے پیغمبرانہ منشاء و مدعا کو سمجھنے اور اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ اسکے برعکس وہ دیوار کی تعمیر کے لئے ذوالقرنین کے تعاون کا پرزور مطالبہ کر رہی تھی اور یہ بات یقیناً بنی اسرائیل جیسی خود پرست و خود غرض قوم پر ہی فٹ بیٹھتی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اُس دور میں نبوت صرف بنی اسرائیل میں ہی مرکوز تھی لہٰذا کار نبوت کی ذمہ داری بھی اصلاً اُنہی کے کاندھوں پر عائد ہوتی تھی مگر اُس وقت یہ کار

نبوت ،حضرت ذوالقرنین اسرائیلی نہ ہونے کے باوجود (حضرت سلیمان علیہ السلام کے سے انداز میں) بہت عمدگی سے سرانجام دے رہے تھے ۔حضرت ذوالقرنین کا کردار اُن کے لئے قابل رشک وقابل اتباع ہونا چاہئے تھا مگر بنی اسرائیل نے اپنے تجارتی ومعاشی مفادات کے حصول کوتو مقدم رکھا ہوا تھا مگر اپنے اوپر عائد ہونے والے کار نبوت کے لئے سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کر رہے تھے۔ یاجوج ماجوج کا راستہ روکنے کے لئے دیوار کی فرمائش، اُن کی اسی غیر سنجیدگی کا مظہر تھی کیونکہ انہوں نے یاجوج ماجوج کے فسادی قبائل سے مقابلے اور انکی کی سرکوبی کی بجائے اُن کا راستہ ہی بند کر دینے کا مطالبہ کر دیا تھا۔ذوالقرنین کے نزدیک چونکہ عوام کی بھلائی اور مملکت میں امن وامان کا قیام ہی ترجیح اول تھا لہٰذا دیوار کی تعمیر کا مطالبہ پورا کرنے میں ہی انہوں نے عافیت خیال کی اگرچہ اُنہیں معلوم تھا کہ یہ مسئلے کا مستقل حل نہیں ہے۔

فاروقی صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لڑکپن کی تاریخ کے غائب ہونے کا جو سوال اٹھایا ہے ،وہ اُس وقت بنی اسرائیل کے حد درجہ اخلاقی زوال کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ ازروئے قرآن ،حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شیر خوارگی میں ایک بڑے مجمع کے سامنے کلام کر کے اپنی والدہ کی پاکدامنی اور اپنے سچا نبی ہونے کا اظہار کر دیا تھا۔اُس مجمع میں معبدِ بنی اسرائیل کے نہ صرف عام بلکہ سرکردہ افراد بھی شامل تھے مگر یہ اُن کے دینی زوال وا خلاقی پستی کی انتہا تھی کہ انہوں نے اس شہادت کو تسلیم کیا اور نہ ہی اسے باقی قوم تک پہنچایا۔اسکے برعکس لگتا یہی ہے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ اور اُن کی والدہ کی جانوں کے درپے بھی ہو گئے تھے جس کی وجہ سے اُنہیں اپنا بچپن ولڑکپن گوشہ گمنامی میں ہی گزارنا پڑا۔حضرت مریم علیہا السلام کے کفیل، حضرت زکریا علیہ السلام اور اُن کے صاحبزادے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت بھی اُسی دور کے بدبخت یہودیوں کے ہاتھوں ہوئی اور بعدازاں جب حضرت مسیح علیہ السلام نے خود کار رسالت سرانجام دینا شروع کیا تو اُنہیں بھی اس رذیل گروہ کی دشمنی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ وہ دور تھا جب بنی اسرائیل پر چودہ صدیاں بیت چکی تھی اور دین اللہ کی حقیقت ومنشاء کو سمجھنے والے عنقا ہو چکے تھے۔

آج چودہ صدیوں بعد، اسی قسم کے صورتحال سے اُمت مسلمہ بھی دوچار ہے کیونکہ ایک فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اُمت مسلمہ پر بھی وہی حالات وارد ہوں گے جو بنی اسرائیل کو پیش

آئے۔ہم دیکھ سکتے ہیں کہ آج اُمت مسلمہ کے وہ لوگ جو دین اللہ کے حقیقی علمبردار ہیں، اُنہیں تو موت ،قیداورتنہائی (سوشل بائیکاٹ) میں سے کسی ایک کا سامنا کرنا پڑتا ہے جبکہ وہ لوگ جو موجودہ نظام باطل کو باطل کہنے کی بجائے اُس کے ساتھ سازگاری اختیار کر لیتے ہیں ،اُنہیں سرکاری مناصب واعزازات سے نوازدیا جاتا ہے۔

محترم فاروقی صاحب نے دجال اور یاجوج ماجوج کے بارے میں خالصتاً انسانی سطح کے حوالے سے ہی بحث کی ہے اوران کے بارے میں واردشدہ مافوق البشری چیزوں کے متعلق اظہارخیال سے اپنی معذوری ظاہر کی ہے اگر چہ بعض لوگوں کے نزدیک اصل حقیقت انہی مافوق البشری باتوں کی ہے۔راقم کے خیال میں ان مافوق البشری معاملات کی کچھ نہ کچھ حقیقت تو ضرور ہوگی اور کسی نہ کسی کو اس بارے میں مدلل اظہارخیال ضرور کرنا چاہئے بالخصوص اُن حضرات کو جو اسلامی روحانیت کے علمبردار ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔

فاروقی صاحب نے اس شمارے میں یاجوج ماجوج اور بنی اسرائیل کے تاریخی روابط اوران کی تہذیب وثقافت کے حوالے سے تو سیر حاصل بحث کی ہے مگر اُن کے مستقبل کے عالمی عزائم اور مستقبل قریب میں اُن کے ہاتھوں ممکنہ طور پر تشکیل دیے جانے والے عالمی منظرنامے کے حوالے سے زیادہ اظہارخیال نہیں کیا ہے۔لگتا ہے کہ اُنہوں نے اسے آئندہ کے لئے موقوف کررکھا ہے۔اگرایسا ہی ہے تو ہماری اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں جلد ازجلد اُن کے خیالات سے استفادے کا موقع نصیب فرمائے۔آمین

کیا آپ جانتے ہیں؟

☆ ذوالقرنین کون تھا؟

☆ یاجوج ماجوج کون ہیں؟

☆ ذوالقرنین کی تعمیر کردہ سدذوالقرنین کب تعمیر ہوئی؟

☆ سدذوالقرنین کہاں واقع ہے؟

☆ سدذوالقرنین کا ختم نبوت سے کیا تعلق ہے؟

☆ کون سی قوم یاجوج ماجوج سے روابط رکھتی رہی ہے؟

یہ اور اس طرح کے دیگر چبھتے سوالات کے جوابات کے ساتھ

حکمت بالغہ کی ایک اور خصوصی اشاعت

یاجوج ماجوج نمبر

شائع ہوگئی ہے

صفحات:152 قیمت-/120روپے

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

زیرانتظام انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر2،ٹوبہ روڈ جھنگ 047-7628561

(ادارہ)

طریق القرآن

پہلے اڑھائی سپاروں یعنی سورۃ فاتحہ اور سورۃ البقرہ کی سیرت محمد ﷺ کی روشنی میں تفسیر کی خصوصیات

1۔ قرآن حکیم کو ابتداء سے سیکھنے کے آرزومندوں کے لیے بہترین تحفہ 2۔ داعیانِ دین کے لیے منزل کی پہچان 3۔ انقلاب اسلامی کے داعیان کے لیے اس انقلاب کی بنیادوں سے تعارف

4۔ دنیا کی عزت بحیثیت امت مسلمانوں کا حق ہے.....لیکن کیسے؟ 5۔ سیکولر دنیا کے اسلامی خلافت کے خلاف اتفاق کی وجوہات۔ 6۔ قرآنی فکر کو عام کرنے کے خواہش مندوں کے لیے بنا بنایا 25 روزہ کورس 7۔ اتحادِ امت کی ضرورت کے پیش نظر ہر مسلمان کی ضرورت

8۔ خطباتِ جمعہ کے لیے بہترین موضوعات

رعایتی قیمت -/150 روپے (ڈاک خرچ کے ساتھ -/200 روپے)

مصنف: محمد منیر احمد فارغ التحصیل قرآن اکیڈمی لاہور

تقریظ: ڈاکٹر محمد ادریس مفتی صاحب

(نواسۂ مجاہد ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی، مدیر اعلی جامع معارف الاسلام، اسلام آباد)

کتاب ملنے کا پتہ: محمد رمضان اینڈ کمپنی غلہ منڈی ہارون آباد ضلع بہاولنگر 0333-6314487

ماہنامہ القاسم کی خصوصی اشاعت (۹) رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ، اگست ۲۰۱۲ء

قلم و قرطاس نمبر

قلم و قرطاس اور کتاب و مطالعہ کے حوالہ سے دلچسپ اور سحر انگیز مضامین، القاسم اکیڈمی کی جدید ترین مطبوعات کا بالخصوص علم و ادب کے حوالے سے علمی و ادبی تعارف، اہل علم اور اربابِ فضل و کمال کے شاندار علمی ادبی تحقیقی اور تاریخی تجزیے تبصرے اور مقالات کا حسین گلدستہ

زیر سرپرستی: مولانا عبدالقیوم حقانی صفحات: 180، ہدیہ -/100 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد، ضلع نوشہرہ

0301-3019928 0346-4010613 0333-9102770

E-Mail: monthly_alqasim@yahoo.com

فرمودۂ اقبال

نظم 'فقر' کے چند اشعار

چیست فقر اے بندگانِ آب و گل　　یک نگاہِ راہ بیں، یک زندہ دل

روح اور جسد سے بنے ہوئے انسانو! فقر کیا ہے؟ ایک راستہ دیکھنے والی آنکھ اور دوسرا زندہ (باضمیر) دل۔

فقر خیبر گیر بانانِ شعیر　　بستۂ فتراکِ او سلطان و میر

یہ فقر جو کی روٹی کھا کر بھی خیبر جیسے معرکے سر کر لیتا ہے۔ سرداروں اور بادشاہوں کے لیے جان لیوا ہوتا ہے۔

فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضا ست　　ما امینیم ایں متاعِ مصطفیٰؐ ست

فقر ذوق و شوق اور احکام الٰہی کے سامنے تسلیم و رضا کا نام ہے اور یہ متاع ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے دی ہے

مومناں را گفت آں سلطانِ دینؐ　　'مسجدِ من ایں ہمہ روے زمیں

سلطانِ دین حضرت محمد ﷺ نے اہل ایمان سے کہا ہے کہ میرے لیے کل روئے زمین مسجد کے حکم میں ہے

الاماں از گردشِ نُہ آسماں　　مسجدِ مومن بدستِ دیگراں

خدا کی پناہ کہ گردشِ ایام سے اب یہ مسجد (روئے ارضی جہاں خلافت کا نظام قائم تھا) غیروں کے قبضے میں ہے

سخت کوشد بندۂ پاکیزہ کیش　　تا بگیرد مسجد مولاے خویش

سچا بندہ مؤمن سخت محنت کرتا ہے کہ اپنے آقا کی مسجد ان قابضین سے واگزار کرا لے

فقر قرآن احتسابِ ہست و بود　　نے رباب و مستی و رقص و سرود

فقر قرآنی ـــــ ماضی، حال و مستقبل کے احتساب کا نام ہے نہ کہ رقص و سرور اور حال کی مستی

فقر کافر خلوتِ دشت و درا ست　　فقر مومن لرزۂ بحر و بر است

کافروں میں فقر، جنگلوں بیابانوں میں خلوت گزینی (راہبی) ہے جبکہ مومن کا فقر بحر و بر پر لرزہ طاری کر دیتا ہے

فقرِ عریاں گرمیٔ بدر و حنین　　فقر عریاں بانگ تکبیر حسین

مؤمنانہ فقر جب جوش میں آتا ہے تو بدر و حنین کے معرکے ہوتے ہیں اور حسین رضی اللہ عنہ کی طرح بازی کھیل جاتا ہے

تا کجا بے غیرتِ دیں زیستن اے مسلماں مردن است ایں زیستن

اے مسلمان کب تک دینی غیرت کے بغیر زندہ رہو گے اے مسلمان ایسی زندگی تو موت کی طرح کی زندگی ہے

آہ زاں قومے کہ از پا برفتاد میر و سلطان زاد و درویشے نزاد

افسوس! ایسی مسلمان قوم پر جو محوِ عمل ہے۔ میر و سلطان تو جنم دیتی ہے ایک مرد فقیر پیدا نہیں کر سکتی

شیخ او لردِ فرنگی را مرید گرچہ گوید از مقامِ بایزید

آج مسلمانوں کے دینی رہنما بھی مغربی دنیا اور آسائشوں کے مرید ہیں اگرچہ گفتگو میں ایسے لگتا ہے کہ وہ مقامِ بایزید پر کھڑے ہیں

دولت اغیار را رحمت شمرد رقص ہا گردِ کلیسا کرد و مرد

جو دنیاوی ترقی اور مغربی تعلیم کو رحمت گردانتے ہیں اور مغربی تہذیب و ترقی کے دلدادہ ہیں اور اسی میں زندگی گزار دیتے ہیں

اے تہی از ذوق و شوق و سوز و درد می شناسی عصر ما با ما چہ کرد!

اے وہ شخص جس میں نہ ذوق و شوق ہے اور نہ سوز و درد! تو جانتا بھی ہے کہ عصر حاضر (مغربی بالادستی) نے ہمارے ساتھ کیا (داؤ) کیا ہے

عصرِ ما ما را ز ما بیگانہ کرد از جمالِ مصطفٰے بیگانہ کرد

عصر حاضر نے ہمیں ہم سے ہی بیگانہ کر دیا ہے، اور نتیجتاً ہم محمد مصطفیٰ ﷺ کی عظمت اور ان کے احسانات کو بھلا بیٹھے ہیں

خویشتن را تیزیٔ شمشیر دہ باز خود را در کفِ تقدیر دہ

اے مسلمانو! اپنے آپ کو شمشیر کی طرح تیز کرو (پھر دین پر عمل کرتے ہوئے جہاد کا راستہ اپناؤ) اور اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دو

اندرونِ تست سیل بے پناہ پیش او کوہِ گراں مانند کاہ

اے مسلمان تمہارے اندر ایمان کا ایک بے پناہ سیلاب ہے جو کفر کے کوہِ گراں (سپر پاور) کو بھی تنکے کی طرح بہا کر لے جائے گا